نقشِ حکمت

احمق پھپھوندوی کی نظموں کا
مکمّل مجموعہ مع انتخابِ غزلیات

ناشر

مکتبۂ بُرہان دہلی، قرول باغ

قیمت تین روپے

۱۹۴۷ء

فہرست

صفحہ	صفحہ	نظم
۷	[illegible]	[illegible] کیفیت
[illegible]	[illegible]	[illegible] آزادی [illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	[illegible]	[illegible]
۵	[illegible]	[illegible] جنت
۶	[illegible]	[illegible]
۷	[illegible]	[illegible] کا خوف
۸	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲۲	[illegible]	[illegible] نظر
۲۹	[illegible]	[illegible] وطن

مقدّمہ

(از مولانا سعید احمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی)

مرزا غالبؔ کے قول کے مطابق جس طرح "فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے" اسی طرح شاعری کے لیے بھی کسی ایک خاص انداز و اسلوبِ بیان کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ شاعری دراصل نام ہے اظہارِ جذبات کا جو موثّر و دل کش پیرائے میں ہو۔ ورنہ محض مُنھ پھاڑ کر یا ہاتھ پانو ہِلا کر جذبات کے ظاہر کرنے کو شاعری نہیں کہتے۔ اور نہ صرف موزوں الفاظ کو مرتّب کر دینے کا نام شاعری ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاعری کے اہم جُزء اُصولی طور پر دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ کلام موزوں ہو۔ دُوسرا یہ کہ موثّر اور دِل کش ہو۔

مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کے نزدیک وزن کے بغیر شعر کا تحقّق ہی نہیں ہو سکتا۔ اِس بنا پر اس کے متعلّق کچھ زیادہ کہنا سُننا اِس موقع پر غیر ضروری ہے۔ البتّہ دُوسرے جزو کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے۔

کلام میں تاثیر اور دِل کشی کا پیدا ہونا چند چیزوں کے وجود پر موقوف ہے جن کو ذیل میں علی الترتیب اِس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) شاعر صاحبِ قال ہی نہ ہو بلکہ صاحبِ حال بھی ہو یعنی وہ جس واقعے کو

بیان کرے، یا جس کسی انسانی جذبے اور نفسیاتی کیفیت کی نقاشی کرنے کے لیے قلم اُٹھائے تو وہ اُس کیفیت کو خود اپنے اوپر اس طرح مستولی اور طاری کرلے کہ سُننے والوں کو وہ خود اس کی اپنی داستان معلوم ہوتی ہو۔ "صاحبِ حال" ہونے کے لیے اِس بات کی ضرورت ہے کہ شاعر میں تاثّر و انفعال کا مادہ اوروں کی بہ نسبت زیادہ ہو۔ اِس بنا پر جب کبھی وہ کسی واقعہ مسرّت یا حادثۂ غم کو دیکھے تو اُس سے اس درجہ اثر پذیر ہو کہ وہ خود اُس کا ہی واقعہ یا حادثہ بن جائے۔

(۲) شاعر کو مختلف اسالیبِ بیان پر قدرت حاصل ہو۔ وہ ایک ہی مضمون کو رنگ رنگ کی مختلف تعبیرات سے ظاہر کر سکتا ہو۔

(۳) شاعر کی قوّتِ تخیّل حساس، نہایت تیز اور ذکی ہو کہ جب وہ کسی جذبۂ انسانی یا کسی واقعے کو بیان کرنا چاہے تو اُس جذبے کے مماثل مختلف چیزیں ایسی اُس کے ذہن میں آجائیں کہ وہ اُن کے ذریعے رنگین و لطیف تشبیہات و استعارات کا رنگ دے کر اپنے کلام کو مزیّن اور دل کش بنا سکے۔

(۴) شاعر کی قوّتِ مشاہدہ بہت عمیق اور دُور رس ہو۔ تاکہ جب وہ کسی واقعے کو دیکھے تو اُس کی نظر واقعے کی صرف سطح تک محدود ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اس کی تہ میں گھُس کر اُس کے اصلی اسباب و علل کا پتہ لگائے اور اس پر مستقبل میں جو

نتائج مرتّب ہو سکتے ہیں اُن کا پہلے سے ہی اندازہ کرلے۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر دور کی شاعری اس کے اپنے مخصوص احساسات وجذبات کی ترجمان ہوتی ہے لیکن اُس عہد کے تمام شاعروں کی ترجمانی یکساں نہیں ہوتی بلکہ طبیعی ذوق، فطری صلاحیت اور ذہنی استعداد کے اختلاف وتباین کی وجہ سے اُن میں بڑا اختلاف اور فرق ہوتا ہے۔ کوئی سنجیدہ او رمتین انداز میں اپنے افکار وخیالات ظاہر کرتا ہے اور کوئی مزاح وظرافت کے پیرائے میں۔ کوئی عقل اور فلسفے کی روشنی میں۔ کلام کرتا ہے۔ اور کوئی سُننے والوں کے جذبات کو برانگیختہ کردینے کی غرض سے ولولہ انگیز گفتگو کرتا ہے۔

اِس میں شُبہ نہیں کہ یہ دونوں قسم کے اندازِ گفتگو اپنی اپنی جگہ پر ایک خاص انفرادیت کے حامل ہوتے ہیں اور موقع محل کے اعتبار سے ان کا افادہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات شاعر اپنے آپ کو ایسے ماحول میں پاتا ہے کہ جہاں وہ اپنے احساسات وجذبات کو صاف صاف لفظوں میں ظاہر نہیں کرسکتا۔ اُس کی زبان پر پہرہ ہوتا ہے اور قلم کی جنبش وحرکت کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ ان حالات میں اُس کو لامحالہ طنز وتعریض اور اشارہ وکنایہ کی آڑ لینی پڑتی ہے۔ اور اسی سلسلے میں وہ بعض اوقات اپنے مطلب کو مزاح اور ظرافت کے پیرائے

میں ایسے لطیف و موثّر طریقے پر ادا کر جاتا ہی کہ بظاہر تو اُس کے سُننے سے بے ساختہ ہنسی آجاتی ہی مگر درحقیقت اس کا اثر دیرپا اور بہت عمیق ہوتا ہی۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی اسی قسم کے شاعر تھے۔ انھوں نے فرنگی تہذیب و تمدّن کا مذاق اُڑایا۔ کالجوں اور اسکولوں کی انگریزی تعلیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کی غیر مشرقی ذہنیت کا ماتم کیا۔ یورپین طرزِ معاشرت کے اثراتِ بد سے اپنی قوم کو بچانے کی کوشش کی لیکن حکومت کے اقتدار، اور خود ایک عرصہ دراز تک سرکاری ملازم رہنے اور اس ملازمت کے اثراتِ مابعد کے باعث وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے اُس کے لیے انھوں نے مزاح اور ظرافت کا پیرایۂ بیان اختیار کیا۔ علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہی کہ بعض مضامین بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو سنجیدہ طریقے پر کہا جائے تو خاک اثر نہیں ہوتا۔ اور اگر ان کو ظریفانہ انداز میں ادا کیا جائے تو ان کی تاثیر دوچند بلکہ سہ چند ہو جاتی ہی۔

لیکن ظرافت اور بذلہ سنجی قطعاً وہبی اور دولتِ خداداد چیز ہی محض کسب و اکتساب اور جہد و مشقّت سے کوئی غیر ظریف شخص ظریف نہیں بن سکتا۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے کلام کی مقبولیت اور اس کی ہر دل عزیزی

کو دیکھ کر کتنے لوگوں نے اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہا۔ مگر کام یاب نہیں ہو سکے۔ اور کسی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ علّامہ اقبالؔ بھی اس میدان میں آئے تو دو چار قدم ہی چل کر رہ گئے۔ اور ان میں بھی یہ بات بیّن طور پر محسوس ہوتی ہے کہ طبیعی اُفتاد کے خلاف بہ تصنّع و تکلّف محض کسی کی نقّالی میں قدم اُٹھا رہے ہیں۔

حضرت اکبر الہ آبادی کے بعد اگر کوئی شاعر اُن کے رنگ میں کام یاب ہو سکا ہے تو وہ بے شبہ جناب احمقؔ پھپھوندوی ہیں جن کا مجموعۂ کلام اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے۔ احمقؔ صاحب کا کلام پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظرافت اور ایک لطیف قسم کا مزاح اُن کی فطرت کا جوہر ہے، جس میں "آورد" کے بجائے "آمد" کا رنگ غالب ہے؛ وہ جس رنگ میں اپنا مدعا ظاہر کرتے ہیں وہ اُن کی اپنی طبیعت کا حقیقی رنگ ہے اُس میں تصنّع، بناوٹ اور خواہ مخواہ کی نقالی کو دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بجا طور پر اکبر الہ آبادی کے قائم مقام کہے جا سکتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی کی طرح احمقؔ صاحب (جو "دیوانہ بکارِ خویش ہُشیار" کے صحیح مصداق ہیں) اپنے پہلو میں حساس و سریع الانفعال دِل رکھتے ہیں۔ زبان پر، اور اُس

کے مختلف اسالیبِ بیان پر اُن کو پوری قدرت حاصل ہے۔ قوّتِ مشاہدہ تیز اور عمیق ہے۔ جب یہ سب اسباب موجود ہیں تو پھر کلام کیوں موثّر و دِل کش نہ ہو۔ آپ کو اِس مجموعے کے بہت سے اشعار پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آجائے گی لیکن مَیں آپ کو یاد کرانا چاہتا ہوں کہ احمق صاحب نے وہ اشعار آپ کو ہنسانے کے لیے نہیں کہے، بلکہ غرض اصلی یہ ہے کہ آپ ان کو پڑھیں اور اُن سے کچھ حاصل کریں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے "نقشِ حکمت" آپ کے سامنے موجود ہے لیجیے توجّہ سے پڑھیے اور فائدہ اُٹھائیے۔

اشارات

پیغامِ حق

پاس تیرے ہو جو کچھ سرمایۂ صدق و خلوص
پیش کر دے ملک کی بے لاگ خدمت کے لئے

اُٹھ اور اپنے آدمی ہونے کا دے اس کو ثبوت
رو رہی ہے آج دُنیا آدمیت کے لئے

یہ بھی تیری خوش نصیبی ہے کہ تجھ سے تیرا سر
غیرتِ حق مانگتی ہے ملک و ملت کے لئے

دیکھنی ہو گر وطن میں عیش و راحت کی بہار
مستعد ہو جا ہر اک رنج و مصیبت کے لئے

عظمت و اقبال کا پرچم ہو لہرانا اگر
پیش کر دے خود کو ہر خواری و ذلت کے لئے

چاہتا ہے گر بقا دُنیا میں اپنے نام کی
مر نہ ہرگز تو نمود و نام و شہرت کے لئے

جان اک حق کی امانت ہے اسے محفوظ رکھ
کب یہ مانگی جا سکے حق کی ضرورت کے لئے

چھوڑ دے عشقِ وطن میں نفع و نقصاں کا خیال
ورنہ تو موزوں نہ ہوگا اس تجارت کے لئے

چاہتا ہے تو بتانِ دیر کی گر سرزنش
مُستعد ہو جا مہنتوں سے بغاوت کے لئے

ہاتھ میں تیرے رہے ہر دم عنانِ عدل و رائے
ہر قدم تیرا اُٹھے حق و صداقت کے لئے

یا تو اُٹھ کر توڑ دے یہ سب قفس کی تیلیاں
یا پھر آمادہ نظر آ، رنجِ ذِلت کے لئے

نعرۂ حق

جفا شعار، ستم کیش، حُریت دشمن
ڈرا رہا ہے تو آنکھیں یہ کیا دکھا کے مجھے

مرے قدم کو ہو جنبش یہ غیر ممکن ہے
پَیامِ شوق سے دے دردِ ابتلا کے مجھے

کوئی مجھے رہِ حق سے ہٹا نہیں سکتا
اگر یقین نہ ہو دیکھ لے ہٹا کے مجھے

زباں پہ کلمہ حق کے سوا جو حرف آ جائے
تو پھونک دے مری غیرتِ الٰہی جلا کے مجھے

ہے آشنا مرے کام و دہن سے تلخیٔ غم
یہ زہر دیکھ لے سو مرتبہ پلا کے مجھے

ہے میرے واسطے معراجِ روح تختۂ دار
تو خوش اگر ہے تو ہو دار پر چڑھا کے مجھے

فنا ہے میرے لئے مژدۂ بقائے دوام
سُنا رہا ہے تو احکام کیا قضا کے مجھے

سوا خدا کے کسی سے میں دب نہیں سکتا
نہ رکھ سکے گا تو ہرگز کبھی دبا کے مجھے

ترے خیال میں گر ہوں میں قابلِ تسخیر
تو دیکھ لے غم و آلام میں پھنسا کے مجھے

مری طرف سے اجازت ہے تجھ کو عام اس کی — کہ دے سکے تو غم و رنج انتہا کے مجھے
خوشی کے ساتھ ہوں راضی ہر ابتلا کے لئے
تو منتخب مجھے کر تو سہی جفا کے لئے

"حصولِ آزادی کی دقّتیں"

ہند کا آزاد ہو جانا کوئی آسان نہیں — دیکھنا تم کو ابھی کیا کیا دکھایا جائے گا
دیکھنا تم سے ابھی کتنے کئے جائیں گے مکر — کس طرح تم کو ابھی چکّر میں لایا جائے گا
تم میں ڈالا جائے گا اک سخت نازک تفرقہ — تم کو شہ دے دے کے آپس میں لڑایا جائے گا
پیشوایانِ مذاہب کو ملیں گی رشوتیں — ڈھونگ تبلیغ اور شدھی کا رچایا جائے گا
دھرم رکھشا کے لئے تم سے لئے جائیں گے عہد — تم کو مذہب اپنا خطرے میں دکھایا جائے گا
لیڈروں سے ہوں گے وعدے خلعت و انعام کے — قلت و کثرت کا ہنگامہ اُٹھایا جائے گا
تم کو پروانہ عطا ہوگا خطاب و جاہ کا — تم کو عہدے کے لالچ میں پھنسایا جائے گا
گر یہ تدبیریں مقدر سے نہ راس آئیں تو پھر — دوسری صورت سے تم کو ڈگمگایا جائے گا
انتہائی بربریت سے لیا جائے گا کام — بند کر کے تم کو جیلوں میں سڑایا جائے گا

دانہ پانی کر دیا جائے گا بالکل تم پہ بند — تم کو بھوکوں مار کر قبضہ میں لایا جائے گا
گرم لوہے سے تمھارے جسم داغے جائیں گے — تم کو کوڑے مار کر رام تو بنایا جائے گا
جایدادیں سب تمھاری ضبط کر لی جائیں گی — بال بچّوں پر تمھارے ظلم ڈھایا جائے گا
باوجود اس کے بھی تم قایم رہے ضد پر اگر — بے تامّل تم کو پھانسی پر چڑھایا جائے گا

اس طرح بھی تم اگر لائے نہ ابرو پر شکن
سر تمھارے پانو پر آخر جھکایا جائے گا

"کھوئے ہوئے زمانے"

کیوں یاد آ رہے ہیں بھولے ہوئے فسانے — گزری ہوئی بہاریں، کھوئے ہوئے زمانے
یا ایک برگ گل کو آنکھیں ترس رہی ہیں — یا اپنے دامنوں میں پھولوں کے تھے خزانے
یا آج خاک و صرصر ہیں ان کی وجہ زینت — یا تھے یہی گلستاں کل تک نگار خانے
یا آج خار و خس بھی ہم کو نہیں میسّر — یا تھے کبھی گلوں کے جھرمٹ میں آشیانے
اب تک وہی صدائیں کانوں میں آ رہی ہیں — وہ چہچہے وہ نغمے وہ راگ وہ ترانے
ہے یاد ہم صفیرو تم کو وہ عہد اپنا — بجتے تھے جب خوشی کے ہر وقت شادیانے

جب نغمیں مسرتوں کی لہریں ہر ایک دل میں
ہر وقت ڈھونڈ لیتے تھے تفریح کے بہانے

حسن و شباب کے وہ پُر کیف عہدِ زرّیں
وہ عشق و عاشقی کے دلچسپ کارخانے

وہ جشنِ عیش و راحت وہ سازِ لطف و عشرت
آنکھوں میں پھر رہے ہیں اب تک وہی زمانے

ناداں سمجھ کے ہم کو صیّاد نے چمن میں
دامِ ہوس بچھا کر ڈالے وہ چند دانے

جن کے لئے ہم اب تک پچھتا رہے ہیں ہمدم
کُنجِ قفس کے اندر کھا کھا کے تازیانے

"دیکھیے کب تک رہے"

دیکھئے کب تک رہے ہند پہ قہرِ خدا
مذہب و ملت میں جنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک نہ ہو شیخ و برہمن میں صُلح
مُلک کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک چلیں مُلک میں یہ لاٹھیاں
معرکۂ نسل و رنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک نہ ہوں ختم یہ آویزشیں

بارشِ تیر و خدنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک بہیں خون کی یہ ندیاں

حملۂ تیغ و تفنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک رہے ملک پہ دشمن کا دانت

لقمۂ شیر و پلنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھیے کب تک پھرے قسمتِ ہندوستاں

اس پہ جفائے فرنگ دیکھیے کب تک رہے

صیادِ فرنگ

مُلک پر یہ بھی ہی اِک قہر خدائے ذوالجلال

ایک مُدت سے ہیں شیخ و برہمن مصروفِ جنگ

چل رہی ہیں لاٹھیاں برپا ہی اِک شورِ نشور

کارفرما ہیں ہر سو خنجر و تیغ و تفنگ

ہر طرف اک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں سب
اب نہ وہ پہلی سی اُلفت ہے نہ وہ پہلا سا رنگ
مہر و الفت کی جگہ ہیں نفرت و بُغض و عناد
آشتی و صلح کے بدلے ہیں اب تیر و خدنگ
اُف یہ بدحالی وطن کی اور اپنی یہ روش
آہ یہ حالاتِ مُلکی اور یہ آپس کی جنگ
ہم کو آزادی کی کیا امید اِس ماحول میں
منزلِ مقصود کیوں کر طے کرے گا پائے لنگ
بٹ گئیں جو قوّتیں پھر کب وہ قوت رہ سکیں
نالیوں میں منتشر پھرتا ہے آب رودِ گنگ
کاش اس نکتے پہ بھی ہم غور فرمائیں کبھی
اور آپس میں کریں پیدا وہی اگلے سے ڈھنگ
وقت ہے اب بھی کہ اپنے ہوش ہو جائیں بجا
عقل آجائے تو ہیں اب بھی وہی سامان و رنگ

ورنہ اب اُس وقت سے غافل نہ رہنا چاہیئے
پیس ڈالے ہم کو اک ادنیٰ سی گردش بے درنگ
چاہیئے کچھ زورِ بازو سے قفس میں کام لیں
یوں تو کیا ہم کو رہائی دے گا "صیّادِ فرنگ"

شوکتِ حق

(ی-ی)

مرحبا شوکت نوجواں مرحبا
چڑھ گیا تو جو یوں تختۂ دار پر
لے رہے جذبۂ حق کہ اپنا گلا
رکھدیا بڑھ کے شمشیر خونخوار پر
آخری فرضِ ملت ادا کردیا
کر گیا رقص تلوار کی دھار پر
جان دیدی مگر آن اپنی نہ دی
آفریں اس بلندیٔ کردار پر
اہلِ حق زورِ باطل سے ڈرتے نہیں
کردیا تو نے ثابت یہ اصرار پر
عرش بھی وجد میں آگیا، فرش کیا
تیرے اس جذبۂ صدق و ایثار پر

خونِ ناحق ترا رنگ لانے کو ہے
پاپ کی ناؤ بس ڈوب جانے کو ہے

تہذیبِ جدید

تعلیم کا فیض ہی ہمہ گیر
تہذیب کی ہیں کشادہ راہیں
ہر سر میں ہی ارتقا کا سودا
معمور ہیں سب امید گاہیں

شملوں کو ہی جنونِ سایہ
کیں ہیٹ نے برطرف کلاہیں
آباد ہیں شیخ ہوٹلوں میں
ویران پڑی ہیں خانقاہیں

آنکھوں کو ہی شوقِ برق پاشی
ہر سمت سے اُٹھ رہی ہیں آہیں
تخریب کے واسطے کھلی ہیں
نیچر کی تمام شاہ راہیں

اُٹھے اے کاش جلد پردہ
مشتاق ہیں دیر سے نگاہیں

مجکو ہے دُھن وطن کی

مشکِ ختن کو ہر دم بس جستجو ختن کی
دُرِّ عدن کی آنکھیں جویا فقط عدن کی
لعلِ یمن کے لب پر بس گفتگو یمن کی
مُرغِ چمن کے دِل میں حسرت فقط چمن کی
مَیں ہوں وطن کا شیدا مُجکو ہے دُھن وطن کی

کوئی کسی کا جویا کوئی کسی کا خواہاں
کوئی کسی پہ مفتوں کوئی کسی پہ نازاں
کوئی کسی سے برہم کوئی کسی سے نالاں
دُنیا ہے اپنے اپنے افکار میں، مگر ہاں
مَیں ہوں وطن کا شیدا مُجکو ہے دُھن وطن کی

سرمایہ دار کو ہے غرّہ زر و گُہر کا
مفلس کی شام کو ہے غم فاقۂ سحر کا

عاشق کو ہی وظیفہ معشوقِ فتنہ گر کا
لیکن بلند تر ہی نقطہ مری نظر کا
میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہی دھن وطن کی

لالچ کا دیو مجھ کو ہرگز نہ کھا سکے گا
قید و بلا کا خطرہ مجھ کو نہ آ سکے گا
باطِل کا خوف مجھ کو کیوں کر ڈرا سکے گا
کوئی مرے قدم کو کیا ڈگمگا سکے گا
میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہی دُھن وطن کی

پیغام عیش مجھ کو ہی عہدِ قید خانہ
ہیں اعتکاف کے دن یا جیل کا زمانہ
جلّاد سے ہی مجھ کو اِک عشقِ غائبانہ
دار و رسن سُنیں گے مجھ سے یہی ترانہ
میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہی دُھن وطن کی

"کڑے مرحلے"

نہیں سہل آزادئ ہند یارو
ابھی تم کو میداں میں آنا پڑے گا

ابھی امتحاں تم کو دینے پڑیں گے
ابھی تم کو جیلوں میں جانا پڑے گا

ابھی چکیاں پیسنی ہوں گی تم کو
ابھی پمپ دگرا چلانا پڑے گا

ابھی جسم ہوں گے لہو چھڑ دل سے
ابھی زخم سینے پہ کھانا پڑے گا

پڑے گا ابھی کام تیغ و تبر سے
ابھی خاک و خوں میں نہانا پڑے گا

چلیں گی ابھی ہر طرف گن مشینیں
ابھی توپ کی زد پہ آنا پڑے گا

ہوائی جہاز آ کے یورش کریں گے
ابھی سر پہ بم کا نشانا پڑے گا

یہ سب امتحاں ختم ہو جائیں گے جب
تو سر تم کو اپنا کٹانا پڑے گا

کھچو گے ابھی تختۂ دار پر تم
ابھی تم کو پھانسی پہ جانا پڑے گا

بہت سے کڑے مرحلے راہ میں ہیں
یہ طے کر کے منزل تک آنا پڑے گا

"راہ راست"

جو حق پر ہے ایمان کامل ہمارا — بنالے گا کیا زورِ باطل ہمارا
جو ہم متحد ہو کے رہتے وطن میں — نہ تھا کوئی مدِّ مقابل ہمارا
غلامی کی خو بُو مُسلّط ہے ہم پر — دماغ اب ہمارا نہ اب دل ہمارا
رہِ راست سے گر قدم ڈگمگایا — نہ ہوگا گزرتا بہ منزل ہمارا
جہاں "سینٹ پرسینٹ" ہیں اہلِ عالم — وہاں درجۂ "فضل ہے نل" ہمارا
ہیں آوارۂ دشت مجنوں کی صورت — نہ لیلیٰ ہماری نہ محمل ہمارا
نہ کشتی نہ کشتی کے ملّاح اپنے — نہ دریا نہ دریا کا ساحل ہمارا
تعصّب نے برباد ہم کو کیا ہے — یہی ہے یہی، صرف قاتل ہمارا

وطن پر مُسلّط ہیں انگریز جب تک
پہنچنا یقیناً ہے مشکل ہمارا

"جوہرِ حُبِّ وطن"

جوہرِ حُبِّ وطن سے دل گر اپنا ہی تہی
مِل نہیں سکتا زمانے کا کوئی جوہر ہمیں

اپنے گھر کا، کر نہیں سکتے اگر ہم بندوبست
دے نہیں سکتا اس دُنیا کا کوئی گھر ہمیں

یا خُدا پیدا کر ان میں قوّتِ پرواز بھی
گر عطا تو نے کئے ہیں بازو و شہپر ہمیں

ہمّتِ مردانہ ہوگی اپنی سب میں پیش پیش
جب وطن کے واسطے دینا پڑے گا سر ہمیں

ہیں ہمارے سامنے دُنیا کے سارے مار پیچ
دے نہیں سکتا کبھی اب آسماں چکّر ہمیں

اب شبِ دیجور کی ظُلمت ہمیں راس آچکی
روزِ روشن کر چکا ہی نُور کا خوگر ہمیں

ہو چکی ہی ہیبتِ حق دل کے اندر جاگزیں
اب پریشاں کر نہیں سکتا بتوں کا ڈر ہمیں

کھُل چکا ہی ہم پہ باطل کا ہر اک مکر وفریب
اب ہٹائے گا رہِ حق سے کوئی کیوں کر ہمیں

کھُل چُکی ہی پالسی کی ہم پہ سب افسوں گری
اب نچا سکتے نہیں یورپ کے بازی گر ہمیں

مستعد بیٹھے ہیں ہم ہر امتحاں کے واسطے
کیا ڈراتے ہیں سنان و دشنہ و خنجر ہمیں

کاش ہم میں ہو سکیں پیدا وہی ساری صفات
یاد کرتی ہی ابھی تک جن سے دُنیا بھر ہمیں

مُلک کی محبّت

جسے مُلک سے اپنے اُلفت نہیں ہی
وُہ دِل قابلِ عفو و رحمت نہیں ہی

بڑی چیز ہیں اتحاد و محبّت
بغیر ان کے دُنیا میں عزّت نہیں ہی

خدایا وطن کی محبت عطا کر
کہ اس کے سوا کوئی دولت نہیں ہی

یہ آپس کی ناچاقیاں ختم کر دو
کوئی اس سے بڑھ کر جہالت نہیں ہی

جو تعلیم دیتا ہی جنگ و جدل کی
کبھی مُصلحِ ملک و مِلّت نہیں ہی

جو رکھتا ہی آپس میں بُغض و عداوت
وہ ہرگز سزاوارِ عظمت نہیں ہی

سکھاتا ہی جو خود سری و شرارت
وطن کو اب اُس کی ضرورت نہیں ہی

الٰہی اُن آنکھوں کو بے نُور کر دے
جن آنکھوں میں نُورِ مروّت نہیں ہی

جو انسان ہی آدمیّت سے خالی
اُسے جانور پر فضیلت نہیں ہی

نہیں عزّتِ قوم جس کی نظر میں
جہاں میں کہیں اُس کی عزّت نہیں ہی

حکومت وہ برباد ہو کر رہے گی
رعایا کو جس کی ضرورت نہیں ہی

"خدمتِ وطن"

وطن کی خدمتِ بے لوث ہی ہر شخص پہ لازم
یہی وہ کام ہی جو آدمی کے کام آتا ہی

لگا دی جاتی ہی حبِ وطن میں سر کی بازی بھی
اک ایسا بھی وفورِ جوش میں ہنگام آتا ہی

پلٹنے ہی کو ہی قسمت تمھاری ای وطن والو
تمھارے واسطے یہ عرش سے پیغام آتا ہی

غلامی دور ہوتی ہی تمھاری اب کوئی دم میں
حکومت اور سرداری کا پھر ہنگام آتا ہی

مصیبت ہی یہ بالکل عارضی اس پہ نہ گھبرانا
بس اب آتا ہی عہدِ راحت و آرام آتا ہی

وہی پھر بزم ہوگی، پھر وہی رنگینیاں ہونگی
وہی پیمانہ آتا ہی وہی پھر جام آتا ہی

تم اپنی ناتوانی سے پریشاں اس قدر کیوں ہو
کبھی کمزور ہونا بھی بشر کے کام آتا ہی

مٹا دیتا ہی دم میں نخوتِ نمرود اک مچھر
کبھی ایسا بھی دورِ گردشِ ایام آتا ہی

خدارا اس نزاعِ باہمی کو ختم فرما دو
ذرا سوچو کہ تم پر کس قدر الزام آتا ہی

کبھی چھڑتا ہی گر مذکور قوموں کی جہالت کا
تو سب سے پہلے کانوں میں تمھارا نام آتا ہی

یہ نکتہ یاد رکھو اس کو بھولا کہہ نہیں سکتے
جو وقتِ صبح جا کر گھر پہ وقتِ شام آتا ہی

"عشقِ وطن"

عشقِ وطن میں ذلت و خواری کا خوف کیا / دِل میں توہّمات یہ پیدا نہ کیجئے
ہر سختی و جفا کے لئے رہئے مستعد / ہر ابتلا میں ہمتِ مردانہ کیجئے
جلیئے لگن میں قوم و وطن کی خوشی کے ساتھ / پروانہ وار جان کی پروا نہ کیجئے
زہرابِ غم ہے تشنۂ حق کے لئے دوا / ایسا نہ ہو کہ اس کو گوارا نہ کیجئے
لسّانیوں میں جوشِ عمل کا پتہ کہاں / بس کام کیجئے، کوئی دعوا نہ کیجئے
ہر امتحاں کے واسطے رکھئے دِل اپنا سخت / سنگیں دلوں کا خوف کچھ اصلا نہ کیجئے
قید و بلا تو اہلِ وفا کا شعار ہے / ہرگز عتاب و قہر کا شکوا نہ کیجئے
دار و رسن ہی ہے صلۂ خدمتِ وطن / اس کے سوا کچھ اور تمنّا نہ کیجئے
ہے یاس اِک گناہ مُسلماں کے واسطے / خطراتِ بیم قلب میں پیدا نہ کیجئے
رستہ ہے راستی کا ہر اک پیچ و خم سے پاک / اس راہ میں کوئی خطر اصلا نہ کیجئے

باطل پہ حق کی فتح یقینی تو ہے، مگر
اِس معرکے میں جان کی پروا نہ کیجئے

"دُعا"

یاالٰہی دے تو ہم کو دولتِ فوز و فلاح
کر ہمارے دل میں پیدا جذبۂ صلح و صلاح

ہم کو محکومی و محرومی کی لعنت سے نکال
اِس بلا سے اس پشیمانی و ذلت سے نکال

ہم کو آزادی عطا فرما غلامی دُور کر
ہم ہیں بے مقدور ہم کو صاحبِ مقدور کر

دُور کر افلاس و ناداری ہمیں خوش حال کر
اور مُلکوں کی طرح ہم کو بھی مالا مال کر

دے ہمیں امریکہ و یورپ کے فرزانوں کی عقل
دے نہ ایسی جیسی ہندستاں کے دیوانوں کی عقل

ہم میں پیدا کر تو باہم اتّفاق و اتحاد
دُور فرما ہم سے حرص و کینہ و بُغض و عناد

یہ کرشمے سب دکھائے ہیں ہماری پھوٹ نے
آ گئے باہر سے غارت گر جو ہم کو لُوٹنے

دو سے گر ہم ایک ہو جائیں جہالت چھوڑ دیں
ہے یقیں اس تیسری قوّت کو بالکل توڑ دیں

یاخدا ہم کو بنا روشن دماغ و خوش خیال
اُترے گردن سے ہماری خوف و ذلّت کا وبال

مُتحد اور مُتفق ہو کر کریں ہر کام ہم
دہر میں کہلائیں نیک آغاز و نیک انجام ہم

ہر خوشی ہو ساتھ ساتھ اپنی ہر اک غم ساتھ ساتھ
لُطف ہی جب ہو دسہرہ اور محرّم ساتھ ساتھ

دُعائے مُلک

یاخدا ہند کے حالات بدل دے بالکل
اِس میں پھر علم و تمدن کا اُجالا کر دے

مُلک والوں کو میسّر ہو فلاح و بہبود
مرتبے ان کے زمانے میں دوبالا کر دے

چشمِ پُرنم کو عطا ہو وطن و قوم کا درد
اِس کے ہر قطرے کو تو لولوے لالا کر دے

دل کہ ہے نفرت و تفریق و تعصب کا کھنڈر
پریم اور پریت کا تو اس کو شوالا کر دے

ختم ہو دورِ یہ آویزش و ناچاقی کا
ہر طرف شمعِ اخوت کا اُجالا کر دے

سوئیں کاریگر و مزدور سب آرام کے ساتھ
اہلِ سرمایہ و دولت کا دِوالا کر دے

دیس سے اپنے جسے ہو نہ کوئی ہمدردی
ایسے بے درد کا تُو دیس نکالا کر دے

جس کے دل میں خلشِ دردِ وطن ہو ناپید
اُس کے سینے میں غم و درد کا بھالا کر دے

ملک کی فاقہ کشی کا نہ جسے ہو کوئی غم
دہنِ گرگ کا تو اُس کو نوالا کر دے

مل کے گوروں سے کرے قوم سے جو غدّاری
اُس کا مُنھ دودِ مذلت سے تو کالا کر دے

لِکھ کے آزادیٔ کامل کی ہمیں دستاویز
عہدِ محکومی و ذلت کا قبالا کر دے

"غارت گرانِ یورپ"

یا خدا دے ہم کو یورپ کے لُٹیروں سے نجات
لُوٹ ہی کر ورنہ چھوڑیں گے یہ غارت گر ہمیں

ان کی عیاری و کیّادی کے پنجے سے نکال
پھانس رکھا ہے انھوں نے جال میں کس کر ہمیں

چھین کر ہم سے غلامی نے ہمارے سب صفات
کر دیا ہے جانور سے بھی سوا بدتر ہمیں

وہ کمالاتِ ہُنر ہیں اب نہ وہ خُلق و ادب
پستیوں نے کر دیا زیرِ زمیں یکسر ہمیں

چھن گئے ہم سے وفاق و خیر و صلح و مہر و لُطف
کھا گئے حرص و ہوا و رشک و بغض و شر ہمیں

فاقہ و افلاس و ناداری نزاع و قتل و جنگ
اپنا پورا کورس ہے پوری طرح از بر ہمیں

ملک میں کب تک خدایا افتراق و انشقاق
ہاں کبھی تو ایک نقطے پر اکٹھا کر ہمیں

تو نے ڈالا ہے جو پالا سخت عیاروں کے ساتھ
دولتِ فہم و فراست بھی عنایت کر ہمیں

سو رہے ہیں ہم کچھ ایسی سُکر و بے حسی کی نیند
شورِ محشر بھی جگا کر تھک چکا اکثر ہمیں

متحد ہو کر اگر رہتے ہم اپنے ملک میں
فتح کر سکتے تھے اربابِ ستم کیوں کر ہمیں

اب بھی کُھل جائیں اگر آنکھیں تو کچھ پروا نہیں
اب بھی حاصل ہے وہی اگلا سا کرّ و فر ہمیں

احساسِ فرض

درحقیقت ہیں جنھیں احساس اپنے فرض کا
سر کٹا دیتے ہیں ناموسِ وطن کے واسطے

شوق سے سہتے ہیں ہر تکلیف و رنج اس کے لئے
رہتے ہیں آمادہ ہر درد و محن کے واسطے

ملک و ملت کے لئے ہوتے ہیں سارے ان کے کام
کچھ نہیں کرتے وہ اپنے تن بدن کے واسطے

ان کی گردن، ان کا حلقوم، ان کا سر، ان کا بدن
رہتے ہیں ہر وقت مشقِ تیغ زن کے واسطے

گولیاں کھاتے ہیں خوش ہو ہو کے سینوں پر مدام
جسم ان کے ہوتے ہیں پستول و گن کے واسطے

دامنِ قاتل میں سو جاتے ہیں میٹھی نیند وہ
غم نہیں کرتے کبھی گور و کفن کے واسطے

ہیبتِ دجال و طاغوت ان سے رہتی ہے الگ
مستعد رہتے ہیں قتلِ اہرمن کے واسطے

کرتے ہیں برداشت خوش ہو کر ہر اک حزن و ملال
ان کی پیشانی نہیں ہوتی شکن کے واسطے

خوفِ قید و بند ان کو ڈگمگا سکتا نہیں
بس بندھا رکھتے ہیں بستر انڈمن کے واسطے

جان کی بازی لگا دیتے ہیں حق کی راہ میں
پیش کر دیتے ہیں سر دار و رسن کے واسطے

کاش ہم میں بھی ہو پیدا جذبۂ مردانگی
کر سکیں کچھ ہم بھی ابنائے وطن کے واسطے

"مناجات"

خدایا ہمیں علم و حکمت عطا کر
خزانے سے اپنے یہ دولت عطا کر

وہ سب خوبیاں ہم میں فرما ودیعت
کہ مشہور ہیں زیورِ آدمیت

عمل ہوں پسندیدہ و خوب اپنے
سب اطوار ہوں نیک و مرغوب اپنے

ارادوں میں ہو رفعت و ارجمندی
عزائم میں ہو آسماں کی بلندی

ہوں اوضاع و عادات بہتر ہمارے
مزیّن ہوں اخلاق یکسر ہمارے

دِلوں میں ہو پاکیزگی و صفائی
خیالات میں عصمت و پارسائی

وطن کی محبّت ہو ایماں ہمارا
یہی درد ہو مونسِ جاں ہمارا

رہیں جان و دل سے فدا ملک پر ہم
بنیں قوم کے زخمِ پنہاں کے مرہم

وفا، آشتی، دوستی، صلح جوئی
محبت، مروّت، بھلائی، نکوئی

یہی سب ہوں اوصاف زیور ہمارے
نمونے ہوں فردوس کے گھر ہمارے

رہیں مِل کے آپس میں بے ردّ و کد ہم
کریں باہم اک دوسرے کی مدد ہم

مصیبت میں ہر اِک کے ہمدرد ہوں ہم
غرض یہ کہ انسان ہوں، مردہوں ہم

فسانۂ عبرت

تعجب میں ہوں دیکھ کر رنگِ عالم
الٰہی یہ کیا آگیا ہی زمانا

نہ پہلی سی وُہ مہر و الفت کی باتیں
نہ اگلا سا چاہت کا وُہ کارخانا

جدھر دیکھئے بس تعصبؔ جہالت
جہاں جائیے صرف لڑنا لڑانا

جو تعلیم دیتا ہی جنگ و جدل کی
وُہ ہی انتہائی خردمند و دانا

جو تلقین کرتا ہی صلح و صفا کی
وہ ہی تیرِ زجر و جفا کا نشانا

نہ معلوم کب یہ جہالت مٹے گی
کب آئے گا عیش و خوشی کا زمانا

ملیں گے گلے کب بہم مُلک والے
بجائے گا اقبال کب شادیانا

بس اب چھوڑ دو یہ ضدیں ورنہ یارو
جہاں میں ہی مُشکل تمھارا ٹھکانا

رہو گے یوں ہی پائمالِ جفا تُم
رہے گا یہی روز رونا رُلانا

نتیجہ یہ ہوگا کہ بن جاؤ گے تُم
فنا ہو کے اک عبرتوں کا فسانا

یہ سب برکتیں اہلِ انگلینڈ کی ہیں
کرو جلد انھیں اب یہاں سے روانا

آزاد ہو کر

کرے کیوں نہ انگلینڈ کتنی ہی کوشش
رہے گا مگر ہند آزاد ہو کر

ہمیں چاہتے ہیں جو برباد کرنا
رہیں گے خود اک روز برباد ہو کر

وہ پائیں گے جلد اپنی نخوت کا بدلا
جو رہتے ہیں فرعون و شدّاد ہو کر

یقیناً ہمارا وطن اِک نہ اک دِن
رہے گا مصیبت سے آزاد ہو کر

ملے گا ہمیں سرفروشی کا بدلا
رہیں گے ہم آسودہ و شاد ہو کر

خدا کے لئے زورِ بازو دکھا دو
رہو اب نہ محکومِ صیّاد ہو کر

کرو غم نہ کچھ اپنی بربادیوں کا
کہ آخر رہو گے تم آباد ہو کر

کبھی شاد بھی ہوں گے فضلِ خدا سے
ابھی جی رہے ہیں جو ناشاد ہو کر

انقلابِ دہر

یہ انقلاب بھی ہے زمانے کا دیدنی
جو شیر تھے کبھی وہ ہیں روباہ آج کل

سارا نظامِ دہر گیا ہے اُلٹ پلٹ | جو کوہِ منزلت تھے وُہ ہیں کاہ آج کل

غدّارِ قوم و مُلک کبھی جن کا تھا لقب | قوم و وطن کے ہیں وہ ہی خواہ آج کل

تھا جن پہ اعتماد کبھی ملک و قوم کو | خُفیہ ہیں پا رہے ہیں وہ تنخواہ آج کل

شیوہ تھا جن کا حق کشی و حق فراموشی | سب ہیں وہ حق شعار و حق آگاہ آج کل

قزّاق و راہ زن کے جو درجے میں تھے کبھی | ہیں رہبروں کے ساتھ سرِ راہ آج کل

جو واقعی ہیں مخلص و ہمدرد و اہلِ دل | مِلتی نہیں وطن میں اُنھیں راہ آج کل

حیرت میں ہوں میں رنگِ زمانے کا دیکھ کر
کیا حال ہو رہا ہے یہ اللہ! آج کل

انگریزی ذہن کی تیزی

کِس طرح بپا ہوں ہنگامے، آپس میں ہو کیوں کر خوں ریزی
ہے ختم اِنھیں اسکیموں میں "انگریزی ذہن کی سب تیزی"
یہ قتل و خوں یہ جنگ و جدل، یہ جور و ستم یہ بغض و حسد
باقی ہی رہیں گے مُلک میں سب، باقی ہے اگر راج انگریزی

گلزارِ وطن اک بنجر ہی، یا خاک ہی اب یا صرصر ہی
کیا پھول یہاں اور کیسے پھل، کیا شادابی کیا زرخیزی

ہر سُو ہی بپا ہنگامۂ خوں، ہر سمت ہی ڈھیر اک لاشوں کا
اڈوائر و ڈائر کے دم سے قایم ہی نشانِ چنگیزی

شدھی ہی کہیں، تبلیغ کہیں، ناقوس کہیں، تکبیر کہیں
یہ پیچ نہ ہوں تو مُشکل ہی، دم بھر کے لئے راج انگریزی

احساسِ غیرت

ہم کسی خوف میں ہرگز نہیں آنے والے — کہہ دو اب ہم کو ڈرائیں نہ ڈرانے والے
ہم میں خود داری و غیرت کی کمی تھی جب تک — ڈھا چکے ہم پہ ستم خوب سے ڈھانے والے
مِٹ لئے ہم میں نہ تھا جب تلک احساس اس کا — اب ذرا ہوش کی لیں ہم کو مٹانے والے
ہو گئی ہم کو اب اپنی غلطی پر تنبیہ — اب ہم اغیار کے دم میں نہیں آنے والے
ہم کو ذلت جو دیا کرتے ہیں خود ہوں گے ذلیل — وہ بھی دن جلد مقدر سے ہیں آنے والے
لیں گے جلد ان سے ہم اس جور و جفا کا بدلہ — دل میں خوش ہوں نہ بہت ہم کو ستانے والے

مل گئی ہند کو برٹش کی غلامی سے نجات
کاش یہ مژدہ سُنیں جلد زمانے والے

جاگو اور جگاؤ

جوشِ عمل دکھلاؤ سب کو غفلت سے چونکاؤ سب کو
اُٹھو اور اُٹھاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

وقت گیا خوابِ راحت کا وقت ہے اب عزم و ہمت کا
بس اب ہوش میں لاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

شرقی، غربی گورے، کالے جاگ اُٹھے سب سونے والے
تم بھی اب چونکاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

دہر میں ہے بیداری ہر سُو مُلک میں ہے تیاری ہر سُو

تم بھی جوش دلاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

قوم کی خدمت فرض ہے تم پر — مُلک کا یہ اِک قرض ہے تم پر
گُر خدمت کے بتاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

آپس کے جھگڑے طے کر دو — پریم اور پریت دلوں میں بھر دو
باہم گلے ملاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

شیخ کی ہے نہ مُغل کی پرسش — اب ہے صرفِ عمل کی پرسش
کچھ کر کے دکھلاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

پیامِ آزادی

مقامِ حق ہی بلاشک مقامِ آزادی
بلند عرش سے بھی کچھ ہی بامِ آزادی

نہ ہو سکے گا کبھی محترم جہاں میں تو
جو تیرے دل میں نہیں احترامِ آزادی

سُنا رہا ہی تجھے انقلابِ دہر جو کچھ
سُن اور غور سے سُن وہ پیامِ آزادی

کہاں تلک یہ تباہی کی زندگی غافل
اُٹھ اور جلد بنا اِک نظامِ آزادی

اُٹھ اور ہاتھ میں لے تیغ بے نیامِ عمل
کہ ہی وسیلۂ فوز مرامِ آزادی

یہ زندگی ہی تری موت سے سوا بدتر
خدا کے واسطے کر اہتمامِ آزادی

غلط ہی یہ جو غلامانہ ذہنیت کے ساتھ
پکار رہا ہی تو سودائے خامِ آزادی

فروتنی و خوشامد سے مِل نہیں سکتا
شرابِ خانۂ ہستی میں جامِ آزادی

پکار یوں تری ہرگز سُنی نہ جائے گی
زبانِ تیغ سے کر بس کلامِ آزادی

وطن سے لعنتِ سرمایہ کو فنا کر دے
جو چاہتا ہی بقائے دوامِ آزادی

ہٹا دے پردۂ تاریک جبر و استبداد
کہ نور بار ہو ماہِ تمامِ آزادی

پسِ پردہ

تماشا کر رہی ہے میرے آگے گردشِ گردوں
عجب کچھ انقلابِ چرخِ گرداں دیکھتا ہوں میں

نظر آتی ہے مجھ کو اپنی دُنیا اک نئی دُنیا
نئے انجم نیا مہرِ درخشاں دیکھتا ہوں میں

نظامِ روز و شب کو دیکھتا ہوں منقلب بالکل
نیا اندازِ ابر و باد و باراں دیکھتا ہوں میں

نظر آتا ہے ہر تاریک منظر مجھ کو نورانی
کہ ہر گوشے میں ایک شمعِ فروزاں دیکھتا ہوں میں

فضائے دہر کو پاتا ہوں میں معمورِ کیفیت
دفورِ شوق میں ذرّوں کو رقصاں دیکھتا ہوں میں

بہاریں ہی بہاریں دیکھتا ہوں گلشنِ جاں میں
امید و آرزو کو گُل بداماں دیکھتا ہوں میں

تمنّاؤں کی دُنیا میں بپا ہے جشنِ نوروزی
جدھر بھی دیکھتا ہوں اک چراغاں دیکھتا ہوں میں

سمجھتا تھا جسے میں سرحدِ ادراک سے آگے
اب اس منزل کو نزدیکِ رگِ جاں دیکھتا ہوں میں

ہوا میں دیکھتا ہوں منتشر اجزا غلامی کے
ڈوائڈ کے عناصر کو پریشاں دیکھتا ہوں میں

تڑپتی دیکھتا ہوں لاشِ استبداد و نخوت کی
غرورِ ہیبت و دولت کو لرزاں دیکھتا ہوں میں

خدا چاہے تو اب آزاد ہوتا ہے وطن اپنا
پسِ پردہ بہت کچھ ساز و ساماں دیکھتا ہوں میں

"بدل دے"

کب تک وطن آلام و مصایب میں خدایا — اب اس کی مصیبت کو مسرت سے بدل دے
کب تک یہ تباہِ ستم نکبت و ادبار — اب اس کی نحوست کو سعادت سے بدل دے
کب تک یہ شکارِ الم فاقہ و افلاس — اب اس کی فلاکت کو امارت سے بدل دے
کب تک یہ گرفتارِ قتال و جدل و جنگ — اب اس کی عداوت کو محبت سے بدل دے
کب تک یہ پشیمانِ بلا نذر حوادث — اب اس کے غم و رنج کو راحت سے بدل دے
کب تک یہ پرستارِ وفا وقفِ خوشامد — اب اس کی اطاعت کو بغاوت سے بدل دے

حد ہو گئی بس اس کی تباہی کی خُدایا
اب اس کی غلامی کو حکومت سے بدل دے

عقل کی دولت

یا الٰہی عقل کی دولت عطا فرما ہمیں — رکھ ہمیشہ بے نیازِ دولتِ دنیا ہمیں
شوقِ آزادی کی منزل میں ہیں لاکھوں پیچ و خم — کاش مِل جائے کوئی آسان سا رستا ہمیں

دیکھئے کب ختم ہو اپنی غلامی کا یہ دور
کب ملے انگریز کے پنجے سے چھٹکارا ہمیں

دیکھئے کب ختم ہوں یہ باہمی آویزشیں
کب ملے قسمت سے موقع غور کرنے کا ہمیں

یاد رکھو مل نہیں سکتی کبھی ہم کو فلاح
ایک ہو کر گر نہ آیا ملک میں رہنا ہمیں

لیڈرانِ خود غرض نے اپنے اپنے واسطے
صرف روزی کا بنا رکھا ہے اک آلا ہمیں

اس غلامی کے تو جینے سے کہیں اچھی ہے موت
کاش آجائے غمِ ملت میں مرجانا ہمیں

تیری خاطر اے وطن ہیں مال و زر تو چیز کیا
سر اگر دینا پڑے تو بھی نہیں پروا ہمیں

"عبرت نہیں"

اے ہند تجھ سے بھی سوا ہے کوئی نذرِ ابتلا
پھر بھی مگر تجھ کو ذرا اس حال پر عبرت نہیں

حد ہو گئی ادبار کی درد و غم و آزار کی
کیا ان بُرے حالوں میں بھی تجھ کو ابھی غیرت نہیں

اُٹھ خواب سے بیدار ہو غفلت نہ کر ہشیار ہو
تیار ہو تیار ہو زاید بس اب فرصت نہیں

عیش بقا کی دوستو خواہش اگر کچھ دل میں ہو
آزاد کر لو ملک کو اس کے سوا صورت نہیں

ہر سمت ہیں رنج و الم ہر سو ہے فکر و درد و غم
دُنیا کے گوشے میں کہیں اپنے لئے راحت نہیں

ہوجائیں گر ہم متحد ہیں بن ہمیں بے رَدّ و کد — آئے ہمارے سامنے ایسی کوئی طاقت نہیں
ہوجائیں ہم آج اک اگر کردیں جہاں زیر و زبر — ڈالے کوئی ہم پر نظر ہرگز کسی کی گت نہیں
کب تک رہیں گے رنج و غم کب تک اُٹھائیں گے ستم — جب تک نہ ہوں گے ہم بہم آرام کی صورت نہیں

انگریز کیا دے گا بھلا ہم کو رہائی قید سے
یونہی رہیں گے عمر بھر ہم ہیں اگر قوت نہیں

اُسے جینا نہیں آتا جسے مرنا نہیں آتا

خدا اس قوم کو عزت نہیں دیتا زمانے میں — جسے قومی بزرگوں کا ادب کرنا نہیں آتا
یقیناً ہوتی ہی مرنے سے بدتر زندگی اس کی — جسے مُلک و وطن کے واسطے مرنا نہیں آتا
بُتوں کا خوف رکھتا ہی اسے لرزہ بہ تن ہر دم — خدا کے خوف سے جس شخص کو ڈرنا نہیں آتا
جوانمردوں ہی کا ہی کام قطعِ راہِ حرّیت — کہ اس منزل میں بُزدل کو قدم دھرنا نہیں آتا
مقدّر میں ہی اس کے عمر بھر پامالِ غم رہنا — جسے پامالیِ مِلّت کا غم کرنا نہیں آتا
اسے زندہ نہ سمجھو سانس ہی گو جس کے سینے میں — مگر آزادیِ مِلّت کا دم بھرنا نہیں آتا

بقولِ حضرتِ اکبر فنا میں ہی بقا مضمر
اسے جینا نہیں آتا جسے مرنا نہیں آتا

دُعا

یا خُدا ہم کو آدمیت دے
مُلک اور قوم کی محبت دے

کر عطا اس قدر تمیز ہمیں
کہ ہو اپنا وطن عزیز ہمیں

اس کی خدمت کو فخر جانیں ہم
اس کی ہر بات دل سے مانیں ہم

پھُوٹ اور افتراق کھو دیں ہم
پاپ کی ناؤ کو ڈبو دیں ہم

حَسَد و کینہ و خصومت و شر
کردیں ان میں سے سب کو مُلک بدر

ایک ہو جائیں سب خواص و عوام
نہ رہے غیریت کا مُلک میں نام

صلح و امن و اماں ہو چار طرف
عافیت حکمراں ہو چار طرف

اتحادِ عمل سے ہوں سب کام
کوئی دانا رہے نہ بندۂ دام

مُلک ہو غیر کے اثر سے پاک
خرمنِ جور و معصیت ہو خاک

ہو یہ ویرانہ غیرتِ گلزار
پھر سے آئے وطن میں تازہ بہار

پٹہ اُترے گلے سے لعنت کا
ختم ہو دَور فقر و ذلّت کا

پرواز میں آ

رفعتِ سدرہ سے بالا ہی کہیں تیرا مقام
چھوڑ اس گوشۂ تاریک کو پرواز میں آ
ہوگیا ہی متغیر اگر اندازِ جہاں
تو بھی انداز بدل، دوسرے انداز میں آ
تجھ کو ہونا ہی اگر محرمِ اسرارِ بقا
رسن و دار کے خلوت کدۂ راز میں آ
دیس کی دُھن میں بس اب چھیڑ کوئی پریم کا راگ
نئے نغمے میں نئی لی میں نئے ساز میں آ
تجھے دُنیا کو سُنانا ہی اگر درد اپنا
طبل کے شور میں آ توپ کی آواز میں آ
ڈھا بھی دے پھونک بھی دے قلعۂ جور و جبروت
آ اور اب زلزلہ و برق کے پرواز میں آ
تجکو دینی ہی جو باطل کو شکست آخرکار
سربکف معرکۂ حق کے تگ و تاز میں آ

جان باقی ہے

ابھی ہندوستاں میں جب تک انگلستان باقی ہے   جفا و ظلم و استبداد کا طوفان باقی ہے

ہمارا قید سے آزاد ہونا ہے بہت مشکل   جہاں تک جان بُل کے بازوؤں میں جان باقی ہے

مسلط ہی رہے گی ہیبتِ طاغوتیاں ہم پر   ابھی جس وقت تک کمزوریٔ ایمان باقی ہے

یونہی پسنا پڑے گا ہم کو ادبار و مذلت میں   جہاں تک غیرت و احساس کا فقدان باقی ہے

وطن قیدِ غلامی سے رہائی پا نہیں سکتا   بہم آویزشوں کا جب تلک سامان باقی ہے

رسائی منزلِ مقصد تک اپنی ہے بہت مشکل   یہاں غداریوں کا جب تلک طوفان باقی ہے

ہمیں شوقِ غلامی سے رہائی مل نہیں سکتی   ابھی جب تک خطاب و جاہ کا ارمان باقی ہے

کسی مقصد پہ اجماعِ وطن ہے سخت ناممکن   ابھی جب تک کہ شیخ و برہمن میں جان باقی ہے

خدارا اپنے حالِ زار پر اب رحم فرماؤ   کہ اب بھی باہمی اصلاح کا امکان باقی ہے

غلامی ایک لعنت ہے بس اس کا خاتمہ کر دو   دکھانا ہے جو دُنیا کو کہ ہم میں جان باقی ہے

فنا ہو جائیں اور ظالم کی ہستی کو فنا کر دیں
یہی بس اک طریقہ زیست کا آسان باقی ہے

زیست کے آثار

تجھے اے خاکِ ہندستاں غیرت بھی نہیں آتی
زیادہ اب نہ ملک و قوم کے غدار پیدا کر

غلاموں کی بہت کچھ ہو چکی ہے یاں فراوانی
خدارا اب نہ یہ ناپاک نابہنجار پیدا کر

کہاں تک کثرت آخر مفسدوں اور شیداؤں کی
نہ اب پھر خدا اس قسم کے اشرار پیدا کر

خطابِ عہدہ کے آخر کو طالب ہو چکے پیدا
اب اہلِ طوق و زنجیر و کمند و دار پیدا کر

ضرورت اب نہیں ہے کاسہ لیسانِ حکومت کی
بس اب حق و صداقت کے علمبردار پیدا کر

بس اب حاجت نہیں ہے کاہلانِ خود پرستوں کی
اب اہلِ عزم و اہلِ جرأت و ایثار پیدا کر

ضرورت اب نہیں حلقہ بگوشانِ نصاریٰ کی
ضرورت ہے کہ اب کچھ سرفروش احرار پیدا کر

مخالف اور دشمن کر لئے اپنے بہت پیدا
اب اپنے دوست اپنے مونس و غمخوار پیدا کر

بہت کچھ محرمِ اسرارِ حکومت ہو چکے پیدا
بس اب عشقِ وطن کے محرمِ اسرار پیدا کر

ترا لوہا زمانے میں کہیں مانا نہیں جاتا
اب اس لوہے کے اندر آب دے اور دھار پیدا کر

تجھے مردہ سمجھ رکھا ہے دنیا کی نگاہوں نے
جو زندہ ہے تو اپنی زیست کے آثار پیدا کر

"او آسمان والے"

پامالِ فقر و ذلت ہیں عز و شان والے
صیدِ غم و الم ہیں تیر و کمان والے
بے نام و بے نشاں ہیں نام و نشان والے
بے تاب و بے تواں ہیں تاب و توان والے

اب ان پہ رحم فرما او آسمان والے
ہیں سخت مشکلوں میں ہندوستان والے

اربابِ دولت و زر کنگال ہو گئے سب
صناع جس قدر تھے حمال ہو گئے سب
فقر و فنا کے ہاتھوں بے حال ہو گئے سب
برباد ہو گئے سب پامال ہو گئے سب

اب ان پہ رحم فرما او آسمان والے
ہیں سخت مشکلوں میں ہندوستان والے

انداز دن کے بدلے اطوار شب کے بدلے
غم ہی خوشی کے بدلے کلفت طرب کے بدلے
چرخِ کمینہ خو نے تیور غضب کے بدلے
کیا جانئے لئے ہیں ظالم نے کب کے بدلے

اب ان پہ رحم فرماؤ آسمان والے
ہیں سخت مشکلوں میں ہندوستان والے

جو تخت کے مکیں تھے اب بوریہ نشیں ہیں
جو برسرِ فلک تھے وہ اب تہِ زمیں ہیں
اہلِ کمال و دانش غمناک ہیں حزیں ہیں
ہیں اس طرح جہاں میں گویا کہیں نہیں ہیں

اب ان پہ رحم فرماؤ آسمان والے
ہیں سخت مشکلوں میں ہندوستان والے

قیدِ شدید میں ہیں آزاد ان کو کر دے
برباد و منتشر ہیں آباد ان کو کر دے

عزم و عمل میں گویا فولاد ان کو کر دے
مسرور ان کو کر دے دل شاداں کو کر دے

اب ان پہ رحم فرما او آسمان والے
ہیں سخت مشکلوں میں ہندوستان والے

"تعارف"

سراپائے ادبار و نکبت ہوں مَیں
مجسّم بلا و نحوست ہوں مَیں
ملی ہے مجھے شکل انسان کی
مگر جانور در حقیقت ہوں مَیں
تمدّن ہی مجھ میں نہ تہذیب ہی
بس اک پیکرِ جہل و ظلمت ہوں مَیں
مرا کام ہے جنگ و تاراج و قتل
فقط وحشت و بربریت ہوں مَیں
طمع میری فطرت، ہوس میری خو
ہیولائے خبث و دنائت ہوں مَیں
نہ مہر و محبت نہ چاہت نہ پیار
کہ بیگانۂ رسمِ الفت ہوں مَیں
تعارف مرا بس یہ ہے مختصر
رعایائے برٹش حکومت ہوں مَیں

"سوال و جواب"

سوال ہے کہ ابھی تک غلام ہے کیوں ہند
جواب ہے کہ وہ خواہاں نہیں حکومت کا

سوال ہے کہ ابھی تک وہ کیوں ہے جاہل محض
جواب ہے کہ یہ ثمرہ ہے اس کی غفلت کا

سوال ہے کہ ابھی تک ہے کیوں نفاق اس میں
جواب ہے کہ وہ خوگر نہیں اخوت کا

سوال ہے کہ ابھی تک وہ کیوں ہے خوار و ذلیل
جواب ہے کہ ہے فقدان اس میں غیرت کا

سوال ہے کہ ابھی تک وہ فاقہ مست ہے کیوں
جواب ہے کہ وہ عادی ہے فقر و ذلت کا

سوال ہے کہ ابھی تک وہ کیوں ہے پست خیال
جواب ہے کہ یہ پرتو ہے اس کی فطرت کا

سوال ہے کہ شکایت ہے اس کی جھوٹ کہ سچ
جواب ہے کہ اُسے حق ہی کیا شکایت کا

انقلاب

یہ کہہ رہی ہے اشاروں میں گردشِ گردوں
کہ جلد ہم کوئی سخت انقلاب دیکھیں گے

نظامِ چرخ میں دیکھیں گے اک تغیرِ خاص
سکونِ دہر میں اک اضطراب دیکھیں گے

خدا نے چاہا تو اب جلد ہی وطن والے
وطن میں اپنا مشن کامیاب دیکھیں گے

دعائیں کی ہیں جو اہلِ وطن نے رو رو کر
یقیں ہے جلد انھیں مستجاب دیکھیں گے

زمانہ آنے ہی والا ہے جب ہم اے ظالم
تجھے بھی خوار تجھے بھی خراب دیکھیں گے

بہت ہی جلد ترے سر پہ بھی خدا کی قسم
خدا کا قہر خدا کا عتاب دیکھیں گے

تجھے بھی دیکھیں گے مجبورِ فاقہ و افلاس
تجھے بھی قیدِ غم و اضطراب دیکھیں گے

تجھے بھی اپنی طرح جلد ہی بفضلِ خدا
اسیرِ سلسلۂ پیچ و تاب دیکھیں گے

تجھے بھی اپنی طرح پائے بندِ نالہ و آہ
یوں ہی مجالِ تباہ و خراب دیکھیں گے

رواں دواں تجھے ہندوستاں سے سوئے عدم
بقلبِ زار و بچشمِ پر آب دیکھیں گے

یہ دیکھنا ہے جو کچھ ہم کو اس میں دیر نہیں
بہت ہی جلد بہت ہی شتاب دیکھیں گے

ہندو اور انگریز

اک مولوی نے مجھ کو بتایا یہ حکمِ دیں — ہرگز نہ ہندوؤں سے کبھی بات کیجیے
بے دین ہیں یہ لوگ نہیں ان سے ربط خوب — ان سے تو صرف ترکِ موالات کیجیے
کافر کا احترام ہے ممنوع شرح میں — نفرت ہی سے بس ان کی مدارات کیجیے
گاندھی ہو یا سبھاش و جواہر کوئی بھی ہو — پیدا نہ ان سے رسمِ مواخات کیجیے

میں نے کہا بجا ہے مگر قبلہ اس کے بعد — انگریز کے لئے بھی ہدایات کیجیے
کافر اگر ہیں وہ بھی تو کیوں ان سے ربط و ضبط — رکھئے اور اس پہ فخر و مباہات کیجیے
کیوں رکھیے ان کے ساتھ خصوصی تعلقات — بنگلوں پہ جا کے روز ملاقات کیجیے
کیوں ان کے احترام میں کیجیے وہ اہتمام — پیدا دلوں میں شرک کے شبہات کیجیے

اور ہیں اگر وہ صاحبِ ایماں تو کوئی نص
اس کے لئے بھی زیبِ محاکات کیجیے

لعنتِ سرمایہ

کاش نگاہِ غور سے دیکھے کوئی ان بے چاروں کو
دو دو وقت نہیں ہے روٹی جن آفت کے ماروں کو
سارے دن مزدوری کر کے شام کو جب گھر آتے ہیں
مشکل سے دو ڈھائی آنے پیسے کما کر لاتے ہیں

کہیے کیا کھائیں کیا پہنیں ان دو ڈھائی آنوں میں
اللہ اللہ اتنا تباین ایک سے دو انسانوں میں
اک دولت کی فراوانی سے دعویدارِ خدائی ہے
ایک کو اس کا بندہ کہنا بھی اُس کی رسوائی ہے

سرمایہ داری کی لعنت مُلک میں جب تک باقی ہے
ہم کو وطن کی آزادی میں کلیتہً شک باقی ہے

آزادی اور ہم

جہاں میں ہر جگہ ممدوح ہیں جذباتِ آزادی
سُنے جاتے ہیں گوشِ دل سے پیغاماتِ آزادی

یہ اک اعلیٰ ترین و پاک نعمت سمجھی جاتی ہے
یہ بندوں پر خدا کی خاص رحمت سمجھی جاتی ہے

دکھاتا ہے جو اس میدان میں جوشِ جوانمردی
زمانے بھر میں اس کے ساتھ کی جاتی ہے ہمدردی

مگر ہندوستاں میں اس کی قیمت تازیانہ ہے
جو اس کا قدرداں ہے اس کی خاطر جیل خانہ ہے

یہاں اک سخت و سنگین معصیت ہے نامِ آزادی
یہاں اک بدترین اقدام ہے اقدامِ آزادی

جو آزادی کی خاطر پیش کر سکتا ہے قربانی
وہ سمجھا جاتا ہے شر و فساد و غدر کا بانی

یہاں جس دل میں حریت کا جذبہ کارفرما ہے
اسے یا دار کا تختہ ہے یا پھانسی کا پھندا ہے

یہاں انسان کی قسمت میں ہیں طوق اور زنجیریں
یہاں جکڑی ہوئی ہیں آہنی پنجے میں تقدیریں

یہاں انسانیت کو حق نہیں آزاد رہنے کا
یہاں موقع نہیں روحانیت کو شاد رہنے کا

یہاں عقل و خرد پر جہل و نادانی مسلط ہے
دماغ و دل پر استبدادِ نصرانی مسلط ہے

چھڑاتا ہے جو اپنے ملک کو غاصب کے پنجے سے
تواضع اس کی ہوتی ہے یہاں خونی شکنجے سے

غلامی جس سے ہو سکتی نہیں برداشت انساں کی
مقدر میں ہیں اس کے سختیاں پُر ہول زنداں کی

مگر آخر یہ کب تک یوں تو جھگڑا چک نہیں سکتا
تفنگ و توپ کے بل پر یہ جذبہ رک نہیں سکتا

کافر

ہے غور طلب مفتیٔ قبلہ کا یہ فتویٰ | ہندو سے کوئی صلح کا خواہاں ہے تو کافر
انگریز کی چوکھٹ کا سلامی ہے تو مومن | گو نہرو و گاندھی کا ثنا خواں ہے تو کافر
کرتا ہے گورنر کی خوشامد تو مسلمان | آزادی کی خاطر کہیں کوشاں ہے تو کافر
انگلینڈ کو قبلہ جو سمجھتا ہے تو مسلم | قبلے کے لئے سر بگریباں ہے تو کافر
سرمایہ و دولت کا پجاری ہے تو مومن | مزدور کے افلاس سے نالاں ہے تو کافر
غداریٔ ملت کا ہے خوگر تو مسلماں | ملت کی تباہی سے جو گریاں ہے تو کافر
تثلیث کے جھنڈے کا محافظ ہے تو دیں دار | توحید کے پرچم کا نگہباں ہے تو کافر
کافر کی غلامی سے اگر خوش ہے تو مومن | آزادیٔ اسلام کا خواہاں ہے تو کافر
ناموس نصاریٰ کا فدائی ہے تو مسلم | ناموسِ وطن کے لئے قرباں ہے تو کافر
حامی ہے اگر آرمی بل کا تو مسلماں | سرحد کے مظالم سے پریشاں ہے تو کافر

القصہ اگر کافرِ مطلق ہے تو مومن
اور واقعی گر صاحبِ ایماں ہے تو کافر

ہمّتِ مرداں

نئی تہذیب نے برباد غارت کر دیا بالکل
ہم اپنے مُلک سے اب اس کو غارت کر کے چھوڑیں گے

ہمارے علم و فن سب اس نے رخصت کر دیے ہم سے
ہم اب ہندوستاں سے اس کو رخصت کر کے چھوڑیں گے

غلامی نے ہمارے سارے جوہر خاک کر ڈالے
ہم اپنے مُلک سے دُور اب یہ لعنت کر کے چھوڑیں گے

ہم اپنے مُلک پر قبضہ کریں گے جس طرح ہوگا
زباں بیکس ہی ختم حجت کر کے چھوڑیں گے

فنا کر دیں گے اہلِ جبر و استبداد کی ہستی
زمیں میں دفن رسمِ جہل و وحشت کر کے چھوڑیں گے

مٹا ڈالیں گے ہم ہر خود سر و مغرور کا غرّہ
تہ و بالا نظامِ کبر و نخوت کر کے چھوڑیں گے

ہٹا دیں گے ہر اک سنگِ گراں کو اپنے رستے سے
نمایاں اپنی شانِ استقامت کر کے چھوڑیں گے

اگر کوہِ گراں بھی ہوگا اپنی راہ میں حایل
اسے بھی پایمالِ عزم و ہمت کر کے چھوڑیں گے

غرض اب یہ تہیّہ کر لیا ہے مستقل ہم نے
فنا اک دن یہ طاغوتی حکومت کر کے چھوڑیں گے

ہمارا فرض

اے وطن تیری حفاظت ہے ہمارا فرضِ خاص
وقت آئے گا تو فرض اپنا ادا کر دیں گے ہم

اس سے کچھ پہلے کہ حرف آئے ترے ناموس پہ
دیکھ لینا اپنے اپنے سر فدا کر دیں گے ہم

جو تجھے بے دست و پا کرنے کا رکھتا ہے خیال
اس کی ساری قوتیں بے دست و پا کر دیں گے ہم

ٹکڑے ٹکڑے تجھ کو کر دینے کا رکھتا ہے جو قصد
بند سے بند اس ستم گر کا جدا کر دیں گے ہم

تیری جانب جو بری نظروں سے دیکھے گا کبھی
آنکھیں اس ظالم کی بے نورِ ضیا کر دیں گے ہم

تیری قوت ختم کر دینے کا جس کو خبط ہے
قوتِ بازو کا اس کے خاتمہ کر دیں گے ہم

قصرِ استبداد کو کر دیں گے یکسر منہدم
اس کی بنیادوں کو بالکل کھوکھلا کر دیں گے ہم

جان دے دیں گے تری راہِ طلب میں اے وطن
جو ہمارا فرض ہے اس کو ادا کر دیں گے ہم

جنگِ آزادی میں جو ہوگا ہمارا سدِّ راہ
پائمال ذلت و رنج و بلا کر دیں گے ہم

دشمنوں سے جو کرے گا سازشیں تیرے لئے
اس کی ہستی کو زمانے سے فنا کر دیں گے ہم

دور ہو جائے گی منزل گر تو کچھ پروا نہیں
تیزیٔ رفتار کو اپنی سوا کر دیں گے ہم

کچھ اب خدمتِ ابنِ آدم بھی کرلے

بہت کر چکا آدمیت کو رُسوا
کچھ اب خدمتِ ابنِ آدم بھی کرلے

بہت بج چکے عیش کے شادیانے
کچھ اب ملک وملّت کا ماتم بھی کرلے
بہت ہو چکے تہنیت کے ترانے
کچھ اب مرثیہ خوانیٔ غم بھی کرلے

ترے راز کا کوئی محرم نہیں ہے
اب اس راز کا کوئی محرم بھی کرلے
ترے دل میں ناسور ہے اک پُرانا
کچھ اس کے لئے فکر مرہم بھی کرلے

موافق ابھی ہے زمانہ کہ خود کو
معظّم بھی کرلے مکرّم بھی کرلے

تری منتشر قوتیں کام دیں گی
جو اِک بار ان کو منظّم بھی کرلے

مری موت کی ابتدا ہو رہی ہے

خوشی کیا تمدن اگر بڑھ رہا ہے — کہ روحانیت اب ہوا ہو رہی ہے
ترقی پہ ہے گرچہ مردم شماری — مگر آدمیت فنا ہو رہی ہے

سنا دو کوئی امن عالم کو مژدہ — وہاں تیغ زیبِ قبا ہو رہی ہے
جس اکسیر میں ہے شفائے مکمل — مرے حق میں سمی دوا ہو رہی ہے
بس اب انتہا ہو گئی بے کسی کی — وہاں رحم کی ابتدا ہو رہی ہے

اثر کچھ ہے یورپ میں بھی زلزلے کا — مری آہ شاید رسا ہو رہی ہے

شرائط ہیں درپیش عہدِ وفا کے
مری موت کی ابتدا ہو رہی ہے

مُصطفیٰ پاشا

خدا کی شان یہ عزّ و وقارِ مصطفیٰ پاشا
کہ اک عالم ہے زیرِ اقتدارِ مصطفیٰ پاشا

اُجالا کر دیا ہے منزلوں تک نورِ ایماں کا
جدھر چمکی ہے تیغِ شعلہ بارِ مصطفیٰ پاشا

ابھی "اسمد" میں تھا دم بھر میں جا پہنچا ادرنہ پر
کوئی بجلی ہے یا ہے راہوارِ مصطفیٰ پاشا

بچا سکتا تھا کون اسلام کو تثلیث کے شر سے
مگر ہاں ایک تیغِ آبدارِ مصطفیٰ پاشا

بھلا کیا کر سکے گی دشمنی اعدائے ملت کی
خدا کا فضل ہے جب دوستدارِ مصطفیٰ پاشا

خداوندا وہ دن بھی دیکھیں ہم اپنی آنکھوں سے
کہ یہ آنکھیں ہوں فرشِ رہگزارِ مصطفیٰ پاشا

یقیناً آج ٹرکی بٹ چکا ہوتا حریفوں میں
اگر ہوتی نہ تیغِ آبدارِ مصطفیٰ پاشا

وہ اسلامی ممالک جن پہ قبضہ ہے نصاریٰ کا
خدایا پھر ہوں زیرِ اقتدارِ مصطفیٰ پاشا

جسے کہتے ہیں سب اقبال، جس کا نام ہے نُصرت
ہیں معمولی سے دو خدمتگزارِ مصطفیٰ پاشا

کہاں چلتی ہوئی روباہ ڈپلومیسی کرزن
ابھی باقی ہے کچھ سیر شکارِ مصطفیٰ پاشا

مری چشمِ عقیدت کے لئے کحل الجواہر ہو
اگر مل جائے خاکِ رہگزارِ مصطفیٰ پاشا

انگورہ

وہ نکلی دیکھیے شمشیرِ جوہردارِ انگورہ
کہو اب سامنے آئیں ذرا اشرارِ انگورہ

عجب انداز سے مشاطۂ قدرت کے ہاتھوں نے
سنوارا تھا ازل میں طرۂ طرارِ انگورہ

عساکر کا ترے کیا پوچھنا ای لشکرِ ترکی
ترا سالار ہی جب خالدِ جرارِ انگورہ

چمک اٹھیں گے ذرے خاکِ بغداد و مداین کے
کیا جائے گا جب آراستہ دربارِ انگورہ

شجاعت نے قسم کھائی ہے ان کے دست و بازو کی
بھلا کیا پوچھتے ہو ہمتِ احرارِ انگورہ

خدا کی خاص رحمت نے کیا تھا منتخب جن کو
وہی اسلام کے فرزند ہیں انصارِ انگورہ

مسلمانوں کی تو نے ڈوبتی کشتی بچائی ہے
سرت گردم حماک اللہ ای سالارِ انگورہ

مگر فتح و ظفر نے کی ہے تیرے ہاتھ پر بیعت
تری ہمت کے صدقے ای علمبردارِ انگورہ

وہ دن آئے کہ ہیں ٹکڑے اڑائیں گے نصاریٰ کے
یہی کم ہو نہ زورِ دست و بازوئے احرارِ انگورہ

صدف کی طرح منہ کھولے ہیں تیری دید کے پیاسے
ادھر بھی اک نظر ای ابرِ گوہر بارِ انگورہ

کہیں تقدیر سے لائے زیادہ نیک ساعت بھی
زیارت ہو تمھاری ای در و دیوارِ انگورہ

عبارات

بسنت

بسنت آیا ہی لیکن ہم کو اس کی کیا خوشی ہمدم
یہاں تو بس دلِ مغموم ہی اور گھر کا کونا ہی
ملی ہی بدنصیبی سے وہ قسمت ہندوالوں کو
ازل سے تا ابد جن کے لئے رونا ہی رونا ہی

اِدھر ہی کارفرما جان بل صاحب کی پالیسی
کہ جس سے قتل و غارت کا مرقع کونا کونا ہی
مُسلط ہی فلاکت سو(۱۰۰) میں نوّے(۹۰) ایسے نکلیں گے
نہ جن کو اوڑھنا ہی اور نہ جن کو یاں بچھونا ہی

ادھر جو ناخدایانِ وطن ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بیڑا تو ہم کو بیچ دریا میں ڈبونا ہے
ہیں بس پیشِ نظر سب کے لڑانے ہی کی اسکیمیں جہاں دیکھو محرم اور سہرے ہی کا رونا ہے

ادھر کوتہ نگاہی کا ہماری ہے عجب عالم کہ دُنیا جس کو مٹی جانتی ہے ہم کو سونا ہے
کہاں کی اب واداری وہ ہمدردی وہ دل سوزی اب اس کا تذکرہ بھی وقت کا بیکار کھونا ہے

یہ سُنتے ہیں کبھی شیر و شکر تھے ہندو و مُسلم مگر اب تو یہ کہنا موردِ الزام ہونا ہے
خدا حافظ اب استحکامِ قصرِ ملک و ملت کا کہ بنیادیں تو کھوکھل ہو چکیں لونا ہی لونا ہے

یہی لیل و نہارِ دہر باقی ہیں تو سُن رکھو
یہ اک شمّہ ہے اس کا جو ابھی کچھ دِن میں ہونا ہے

جوشِ حق

خاک میں خود کو ملا دوں گا میں لیکن اے وطن
تیری عظمت کا پھریرا عرش پر لہراؤں گا

گو مجھے تحت الثریٰ ہی میں نہ کیوں جانا پڑے
تجھ کو لیکن بامِ ہفت افلاک تک پہنچاؤں گا

توڑ ڈالوں گا یہ محکومی کی زنجیریں تری
تجھ کو زنداں خانے سے عشرت کدے میں لاؤں گا

تخت پر تجھ کو بٹھاؤں گا پہنا کر تاجِ زر
تیرے آگے تیری آزادی کے نغمے گاؤں گا

ہر بلا میں مبتلا ہوں گا میں تیرے واسطے
ہر مصیبت کے لئے آمادہ خود کو پاؤں گا

جیل میں رہنا پڑا مجھ کو تو کوئی غم نہیں
شوق سے میں چکیاں پیسوں گا ڈنڈے کھاؤں گا

تازیانے ہوں کہ ٹکٹے بیت ہو یا ہتھکڑی
ذلتیں کیا میرا کر لیں گی جو میں گھبراؤں گا

گن مشینیں ہر طرف سے گھیر لیں گی گر مجھے
گولیوں کی زد پہ سینہ تان کر آ جاؤں گا

مجھ کو پھانسی گھر میں بھی محبوس اگر رکھا گیا
تیری دُھن سے تیری فکروں سے نہ میں باز آؤں گا

دے دیا جاؤں گا جلادوں کے قبضے میں اگر
اے وطن پھر بھی نہ ابرو پہ شکن میں لاؤں گا

چلتے چلتے تجھ پہ سر اپنا فدا کر جاؤں گا
اور جنت میں تری مدحت کے نغمے گاؤں گا

"پیامِ وطن"

یہ ابنائے وطن کی ذلت و رسوائی پیہم
جہاں تک ہو سکے اے دوستو بس ختم فرما دو

جو تم چاہو تو ہو جائے ابھی اک حشر سا برپا
ہر اس قوت کو جو تم سے بھڑے سر اس کا ٹکرا دو

تم اپنے جوہرِ مردانگی کو کام میں لا کر
نمونہ اپنی غیرت کا زمانے بھر کو دکھلا دو

نفاق و سرکشی و فتنہ و افساد کے بدلے
دلوں میں دوستی و آشتی کی لہر دوڑا دو

قتال و جنگ و خونریزی کی عادت چھوڑ دو بالکل
صفا و الفت و صدق و وفا کو دل میں بسا دو

کسی ظالم کو اپنا حکمراں ہرگز نہ مانو تم
وہ ہر قانون جس کو تم برا کہتے ہو ٹھکرا دو

تمہارا خاص نصب العین ہو آزادئ کامل
یہ پیغام اپنے اربابِ وطن کے پاس پہنچا دو

جو زور آور ہوں تم میں ان کی امدادیں کریں حاصل
جو ہوں کمزور ان کو اپنے بازو کا سہارا دو

سکھائی ہی نئی تہذیب نے یہ بزدلی تم کو
ضرورت ہی کہ اس کو اب سمندر پار پھکوا دو

تمہیں فیشن نے بے کار اور اپاہج کر دیا بالکل
جہاں تک ہو سکے بنیاد اس ظالم کی کھدوا دو

تعصب تم کو آپس میں کبھی ملنے نہیں دیتا
یہ دیواریں جو اس نے کھینچ رکھی ہیں انہیں ڈھا دو

یہ جو کچھ ہو رہا ہی جان بل صاحب کی برکت ہی
ضرورت ہی کہ ان کو اب ٹکٹ لندن کا دلوا دو

دعوتِ ابتلا

او جفا جو او ستمگر او وفا نا آشنا
مجھ کو غم دے کر، ستم ڈھا کر، ستا کر دیکھ لے

ڈال سکتا ہو اگر لالچ مرے ابرو پہ بل
میرے آگے ڈھیر توڑوں کے لگا کر دیکھ لے

مکر کا جادو جو ہو سکتا ہو مجھ پر کارگر
مجھ کو چھل دے کر مجھے دھوکے میں لا کر دیکھ لے

گر خوشامد ڈگمگا سکتی ہو میرے پانو کو
میرے آگے سر جُھکا کر گڑگڑا کر دیکھ لے

عیش و عشرت سے جو میرا جوش ہو سکتا ہو سرد
مجھ کو خسخانوں میں پھولوں پر سُلا کر دیکھ لے

فقر و فاقہ مجھ کو کر سکتا ہو گر بے راہ رَو
اس مصیبت میں بھی تو مجھ کو پھنسا کر دیکھ لے

ذلتیں مجھکو ارادے سے جو رکھ سکتی ہوں باز
تو مُجھے دُنیا کی نظروں سے گرا کر دیکھ لے

خوف اگر مجھ کو ہٹا سکتا ہو راہِ راست سے
مجھ کو اچھی طرح دھمکا کر ڈرا کر دیکھ لے

رنج قید و بند غالب آ سکے مُجھ پر اگر
شوق سے تو بیڑیاں مجھ کو پنہا کر دیکھ لے

قتل ہی گر آخری تدبیر ہو میرے لئے
دار کے تختے پہ بھی مجھ کو چڑھا کر دیکھ لے

ہوں گی ثابت سب یہ تیری کوششیں بے کار محض
جس طرح چاہے تو مجھ کو آزما کر دیکھ لے

حق و باطل

اِک طرف اک جانِ ناکارہ باحوالِ تباہ
ایک جانب اک ہجومِ لشکر و فوج و سپاہ

اِک طرف ناسازی و درماندگی و ابتری
ایک جانب نخوت و عجب و غرور و خودسری

اِک طرف بے دردیاں بے مہریاں بیزاریاں
ایک جانب یاریاں و لداریاں غمخواریاں

اِک طرف فقر و فنا و ذِلّت و بند و قیود
ایک جانب بذل و جود و خلعت و جنس و نقود

اِک طرف گل خانہ و خاشاک و خاکِ دشت کوہ
ایک جانب قلعہ و ایوان و قصرِ پُر شکوہ

اِک طرف خونِ جگر میں بھی کچھ آثارِ کمی
ایک جانب گردشِ صہبا و دَورِ خرّمی

اِک طرف سختیِ قید و بندشِ دام و بلا
ایک جانب عیش آزاد و نعیمِ برملا

اِک طرف کانٹوں کے بستر پہ تنِ زار و نزار
ایک جانب فرشِ گل پر خوابِ شیریں کی بہار

اِک طرف شور فغان و نالۂ فریاد و آہ
ایک جانب نغمۂ چنگ و صدائے واہ واہ

اِک طرف حلقوم خشک و دیدۂ نمناک و تر
ایک جانب انگبین و شیر و برفاب و شکر

اِک طرف اِک بوند پانی چشمۂ آبِ حیات
ایک جانب قبضۂ قدرت میں دریائے فرات

اِک طرف اِک لاشۂ بے سر کنارِ دار میں
ایک جانب جشنِ شادی کوچہ و بازار میں

سب یہ باتیں ہیں بظاہر حق کی قِلّت کا سبب
ہیں حقیقت میں مگر باطل کی ذِلّت کا سبب

کتابِ عبرت

قسمت کی یہ ذلّت دوامی
ہے تیرے سبب سے اے غلامی

جب تیری نحوستیں ہیں معلوم
ہم کیوں نہ ہوں برکتوں سے محروم

کیوں ہم میں نہ ہوں وہ ساری بدیاں
ہیں تو نے گزاریں جن میں صدیاں

کردار و عمل طریق و اطوار
سب میں ہے ترا اثر نمودار

اخلاق و مراتب و فضایل
پستی ہی کی سمت سب ہیں مایل

جرأت ہے نہ عزم و استقامت
ہے ہر قدم اپنا اک ندامت

عقل و خرد و تمیز و ادراک
گویا ہیں دبے ہوئے تہِ خاک

نیّت ہے بجا نہ قول راسخ
اعمال سے بعد ہے فراسخ

ہیں دو دماغ و دل کی قوّت
وقفِ حسد و عناد و نفرت

صلح میں ہے نفاق کی شان
ہر جمع میں افتراق کی شان

زبوں، خیال بھی پست
ماضی بھی تباہ حال بھی پست

کچھ ہم میں اگر ہنر ہیں موجود
وہ عیب سے بھی سوا ہیں مردود

نیکی کے جو کچھ ہیں ہم میں جوہر
کھوئے ہوئے ہیں بدی کے اندر

افلاس و زبونی و فلاکت — دن رات ہیں درپئے ہلاکت
اس درجہ خراب ہوگئے ہیں — عبرت کی کتاب ہوگئے ہیں

جب تک ہم اس طرح ہیں باقی
گویا ہیں وجودِ اتّفاقی

اہلِ حق کی پہچان

شوکتِ اسکندر و اقبالِ جم — کر نہیں سکتے ہیں گردن اُس کی خم
وہمِ استبداد و خوفِ دار و گیر — رکھ نہیں سکتے اُسے ہرگز اسیر
زورِ باطل سے وہ ڈر سکتا نہیں — رُخ سوئے طاغوت کر سکتا نہیں
جب زبانیں ہوں گی حق گوئی پہ بند — حق کا آوازہ کرے گا وہ بلند
عام ہو جائیں گی جب غدّاریاں — حق کی خاطر وہ سہے گا خواریاں
ہوں گے جب افرادِ ملت حق فروش — وہ رہے گا حق شناس و حق نیوش
جب کھنچیں گے حق کے حامی دار پر — رقص کرتا ہوگا وہ تلوار پر
جرم ہوگی جب محبّت مُلک کی — وہ کرے گا کھُل کے خدمت مُلک کی

وہم آزادی بھی جب ہوگا گناہ
ہو گی آزادی سے اُس کی رسم و راہ

ہوگی جب حُبِّ وطن وجہِ عتاب
وہ وطن کو دے گا درسِ انقلاب

جب حکومت ہوگی حرص و جاہ کی
وُہ خلش ڈھونڈے گا درد و آہ کی

عام ہوں گے جب فریب و مکر و زور
وہ فریب و مکر سے ہو گا نفور

ذِلّت اس کا سر جھکا سکتی نہیں
دہشت اُس کو ڈگمگا سکتی نہیں

قید کی سختی سے ڈر سکتا نہیں
خوفِ جان و مال کر سکتا نہیں

حرف آئے گا اگر ایمان پر
کھیل جائے گا وُہ اپنی جان پر

اتّفاق

اِک زمانے کی سیاست کا ہے اس پر اتّفاق
قوم مُردہ ہے نہیں ہے قوم میں گر اتّفاق
جس قدر ہیں نعمتیں دُنیا میں جتنی برکتیں
سب سے افضل سب سے اعلیٰ سب سے بہتر اتّفاق

گھر کے باہر چاہتے ہو اپنی کچھ عزت اگر
چاہیئے پیدا کرو تم گھر کے اندر اتفاق

ساری دُنیا کو لئے بیٹھے ہیں اپنے ہاتھ میں
آج دُنیا میں ہے جن لوگوں کے اندر اتفاق

تم کو اِس طوفان سے بچنا ہے تو لو اس کی پناہ
ہیں حوادث سیلِ باراں اور چھپر اتفاق

نعمتیں دُنیا کی پالیتا ہے گھر بیٹھے وہ مُلک
جس کو ہو جاتا ہے قسمت سے میسّر اتفاق

عِلم سے زینت زمانے کی، تجارت سے فروغ
حُسنِ انساں کا تمدّن اور زیور اتفاق

چاہتے ہو فوقیت اپنے حریفوں پر اگر
چاہیے پیدا کرو تم اپنے اندر اتفاق

اپنا لوہا تُم کو منوانا ہے دُنیا سے اگر
تم کو دے سکتا ہے اِک تیغ دو پیکر اتفاق

عظمتِ رفتہ تمھاری پھر تمھیں مِل جائے گی
پھر وہی کر لوگے پیدا ملک میں گر اتّفاق

جانِ بُل کا دم سلامت ہو جو ہندوستان میں
ہندو و مسلم میں ناممکن ہو یکسر اتّفاق

"اچھّے دِن"

بدلیں پھر رُخ اپنا ہوائیں
رنج کے بادل پھر چھٹ جائیں
خوشیاں اپنا رنگ جمائیں
عیش سے ہوں معمور فضائیں

راس آئیں یارب یہ دعائیں
مُلک کے پھر اچھّے دن آئیں

پھر گلزار بنیں ویرانے
پھر ہوں وُہی رنگیں افسانے

پھر آجائیں اگلے زمانے
پھر ہوں وہی پُرکیف ترانے
پھر ہوں وہی دل چسپ صدائیں
مُلک کے پھر اچھّے دِن آئیں

دیس کی حالت ہو پھر چنگی
آئے وہی دَورِ یک رنگی
ختم ہوں باتیں سب بے ڈھنگی
اُترے گلے سے طوقِ فرنگی
گورے سب ہجرت کر جائیں
مُلک کے پھر اچھّے دن آئیں

سکہ اپنا راج بھی اپنا
تخت بھی اپنا تاج بھی اپنا
پیلس اپنا لاج بھی اپنا
کل بھی اپنا آج بھی اپنا

ہم پھر اپنا ٹھاٹھ جمائیں
مُلک کے پھر اچھّے دِن آئیں

مِل اپنے ہوں مال ہو اپنا
سَن اپنا ہو سال ہو اپنا
دولت اور اقبال ہو اپنا
آکاس اور پاتال ہو اپنا

سب کچھ پھر اپنے ہو جائیں
مُلک کے پھر اچھّے دِن آئیں

ہمارا دیس

جگ سے بھلا سنسار سے پیارا
دل کی ٹھنڈک، آنکھ کا تارا
سب سے انوکھا سب سے نیارا

دُنیا کے جیتے کا سہارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

اس کے دریا اس کے سمندر
اس کے سنگم اس کے بندر
پریم کی مورت پریت کا مندر
حُسن و محبت کا گہوارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

کتنی پُر کیف اس کی ادائیں
کتنی دِل کش اس کی فضائیں
مشک سے بڑھ کر اس کی ہوائیں
خلد سے بہتر اس کا نظارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

ملک کو حاصِل ہو آزادی
ختم ہو دَورِ ستم ایجادی
دُور ہو اس کی سب بربادی
چرخ پہ چمکے بن کر تارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

یارب بندھن توڑ دے اس کے
کب تک بلکے، کب تک سسکے
خاک کہاں تک ہو پِس پِس کے
پائے نس اب غم سے چھٹکارا
پیارا بھارت دیس ہمارا
ہم میں پیدا ہو یک جائی
سب ہوں باہم بھائی بھائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی
گائیں مل کر گیت یہ پیارا
پیارا بھارت دیس ہمارا

"قول و عمل"

یہ مانا کہ تُم ہو بڑے حق پسند
تمھارے خیالات بھی ہیں بلند
بڑے پاک طینت بڑے راست باز
طبیعت میں حد درجہ سوز و گداز

تمھارے سب اوضاع و اطوار خوب ‏ سب اخلاق و عادات و کردار خوب
حیا اور عصمت کی تصویر تُم ‏ وقار و شرافت کی جاگیر تم
جوان و بہادر دلیر و شجیع ‏ ارادے تمھارے بلند و رفیع
صداقت پہ تم جان و دل سے نثار ‏ دیانت ہمیشہ تمھارا شعار
محبت، مروت، تواضع، کرم ‏ غرض سارے اوصاف تم میں بہم
مصیبت میں ہر اک کے ہمدرد تم ‏ ہر اک سخت مشکل میں پامرد تم
ہر اک آزمایش میں تُم مستقل ‏ شدائد کی برداشت میں سنگدل
وطن کی محبت کی تم کو لگن ‏ خیالاتِ مُلکی میں ہر دم مگن
فقط خوف ہے اک خُدا کا تمھیں ‏ غمِ قید و بند و بلا کیا تمھیں
مکاید سے تُم ڈرنے والے نہیں ‏ شدائد کا غم کرنے والے نہیں
رہو گے مُصِر حق کی تکرار پر ‏ اگرچہ ہو تم تختۂ دار پر
مگر سب یہ دعوے ہیں بالکل ذلیل ‏ نہ لاؤ گے جب تک تم ان پر دلیل
نہیں ہے عمل سے گر ان کا ثبوت ‏ تو ان کی صداقت کا ہے کیا ثبوت

عمل ایک ہو قول ہوں (سنو) ہزار
تو ہوگا اسی اِک عمل کا شمار

حُبِّ وطن

وطن کی محبت ہی اصلِ آدمیت
بغیر اس کے انسان ہی بے حمیت

وطن کی لگن جس کے دل میں نہیں ہی
وہ حنظل سے بد تر ہی گر انگبیں ہی

یہ جوہر جو فطرت سے کھو بیٹھتے ہیں
وہ آیندہ نسلوں کو رو بیٹھتے ہیں

خدا کا غضب ان پہ ہوتا ہی نازِل
وہ ہو جاتے ہیں زندہ مردوں میں شامِل

جنھوں نے یہ رشتہ محبّت کا توڑا
تو اقبال و عظمت نے منہ اُن سے موڑا

برسنے لگی روسیاہی کی لعنت
فلاکت کی لعنت، تباہی کی لعنت

گرفتار ہیں سخت ذِلّت کے اندر
ہیں کثرت کے باوصف قلت کے اندر

کبھی ہیں نحوست کے پنجے کے اندر
کبھی مفلسی کے شکنجے کے اندر

حکومت کے جور و ستم سہ رہے ہیں
ہر اک طرح کے رنج و غم سہ رہے ہیں

محاصل کے بارِ گراں ہیں سروں پر
غم و درد کے آسماں ہیں سروں پر

اِدھر "آرڈی ننس" کی ہیں بلائیں
اِدھر ٹیکس کی کالی کالی گھٹائیں

غلامی کے خوگر خوشامد کے عادی
سراپائے بے حسّی و نامرادی

نہ عزّت نہ حرمت نہ کپڑا نہ روٹی
لگائے ہوئے پھر رہے ہیں لنگوٹی

بدیشی اگر ملک میں ہیں گورنر — تو ملکی ہیں جوتے پہنانے پہ نوکر
جو ہیں خس کے بنگلوں میں ٹرپیں والے — تو پنکھے ہیں اہل وطن کے حوالے
یہ ہے کس قدر شرم و افسوس کی جا — مگر اپنے ہی جہل کا ہے نتیجا
فرائض سے غفلت کی یہ سب سزا ہے — حقوقِ وطن بھولنے کا مزا ہے
سنو دوستو! جوشِ ہمت دکھاؤ — اُٹھو اور اب مُلک کے کام آؤ
وگرنہ یونہی ٹھوکریں کھاؤ گے تم — یونہی روؤ گے اور پچھتاؤ گے تم
ملے گی سزا تم کو اس خود سری کی — نہ دیکھو گے صورت کبھی بہتری کی

رہو گے یونہی عمر بھر جوں کے توں تم
پھرو گے سدا یونہی خوار و زبوں تم

"قومی فساد"

تاڑی خانے کے دنگلوں میں — وقتِ سرمستی و قدح خواری
ہو گئی جنگِ زرگری برپا — ایک نے ایک کے چپت ماری
ہو گئے چند شخص ایک طرف — کچھ نے کی ایک کی طرفداری

شور و غل کی صدا بلند ہوئی   ہو گئے جمع چند بازاری

کی جو تحقیق یہ ہوا معلوم   ایک ناجی ہے ان میں اک ناری
کفر و اسلام میں ہے آویزش   حق و باطل میں ہے سناں باری
دینِ حق گھر گیا ہے نرغے میں   فرض ہے اہلِ حق کی غم خواری
دھرم رکھشک بھی سنگٹھت ہو کر   لے کے بلّم، تبر، کٹار، آری
دیش سیوا کے واسطے نکلے   کر کے پربندھ یدھ کا بھاری
تبر و تیغ و خشت و شیشہ و سنگ   قتل و خوں ریزی و جفاکاری
شعلہ و نار و غارت و تاراج   آہ و فریاد و نالہ و زاری
قصہ کوتاہ خوب خوب ہوئی   دونوں جانب سے مشقِ خونخواری
اُف وہ ناپاک و زشت ہنگامہ   الاماں قہرِ ایزدِ باری
ہو گئی ختم رسم و راہ وفا   اُٹھ گیا ربط و ضبطِ غم خواری
نہ محبت رہی نہ حُسنِ سلوک   نہ رہی دل دہی نہ دِل داری
دھرم و صلح و صلاح کی باتیں   دفعتہً ختم ہو گئیں ساری
پَٹ گئے مرگھٹ اور قبرستان   ہوئی لاشوں کی بے طرح خواری

سیکڑوں سڑ گئیں مکانوں میں
موریوں میں ملیں بدُشواری

ہو گئی تنگ زخمیوں کے لئے
اسپتالوں کی چار دیواری

زندہ جو بچ گئے مقدر سے
ہوئے قیدِ بلا د ناچاری

ناکہ بندی، پولیس، پہرہ، فوج
ہتکڑی، بیڑیاں، گرفتاری

شُبہے، خانہ تلاشیاں، وارنٹ
زحمتیں، ذلتیں، نگوں ساری

پاسِ ناموس و رنجِ فاقہ و فقر
درد و فریاد و کرب و بیماری

بھر گئے جیل بے قصوروں سے
پھر رہی ہیں شرافتیں ماری

ہو گئے در مقدمات کے باز
کارفرما ہو "عدلِ سرکاری"

لگ رہی ہر زُبی میں ظلم کی آگ
رشوتوں کی ہو گرم بازاری

جس نے کچھ ہندوؤں کا ساتھ دیا
اُس نے کی دینِ حق سے غداری

کی مسلماں سے جس نے ہمدردی
بن گیا صاف اتیا چاری

رہے برسوں صفائی اور ثبوت
بھر گئی کاغذوں سے الماری

فیصلہ، پھر اپیل، پھر فرمان
کی گئیں ختم منزلیں ساری

تختۂ دار سے جو بچ نکلا
اس نے کی انڈمن کی تیاری

جو بری ہو گیا مقدر سے
آگئی اس کی بھیک کی باری

شہر تھا جو نشاط و عیش کا گھر　　اب ہی گھر گھر وہاں عزاداری
تھا جہاں رعب و داب و حُسن و جمال　　اب ہی واں بے کسی و بے یاری
ہر طرف ہی فلاکت و ادبار　　عام ہی مفلسی و بے کاری
واہ قومی فساد کیا کہنا
یہی بیشک ہی شانِ خودداری

ضرورتِ اتّحاد

یا خدا ہند پر کرم فرما　　اس کی تکلیف کالعدم فرما
ہیں پریشاں بہت حواس اس کے　　نہیں ہمدرد کوئی پاس اس کے
فقر و فاقہ سے پایمال ہی اب　　قرض میں اِس کا بال بال ہی اب
نہ ہی صنعت نہ اب تجارت ہی　　ساری آسودگی وہ غارت ہی
علم و فن سے ہی اس کا گھر خالی　　عقل و اِدراک سے ہی سر خالی
اچھے اطوار مٹ گئے اِس کے　　نیک کردار مٹ گئے اِس کے
خُلق ہی اب نہ مہر و اُلفت ہی　　آشتی ہی نہ اب اخوت ہی

رنگ بالکل ہی ملک کا بدلا
سارا پانی ہی چاہ کا گدلا

ہر طرف جہل ہی لڑائی ہی
دشمن آپس میں بھائی بھائی ہی

نہ محبت ہی اب نہ ہمدردی
نہ دلیری نہ اب جواں مردی

نہ رواداری و شرافت ہی
نہ اب امن و امان و راحت ہی

ہر طرف ہی فساد و ہنگامہ
کوئی رستم ہی اور کوئی گاما

اب کہاں صلح و خیر کی باتیں
جب ہیں کانوں میں غیر کی باتیں

جان بل کی ہیں سازشیں جاری
ملک پر ہیں نوازشیں جاری

ایک سے ہی کبھی شناسائی
دوسرے کے لیئے کبھی سائی

کبھی ان کو لڑا دیا سب سے
کبھی اُن کو بھڑا دیا سب سے

کبھی ان کو پولیس و تھانہ ہی
اور کبھی ان کو جیل خانہ ہی

یہی منظر یہاں ہی شام و سحر
بس یہی ہو رہا ہی آٹھ پہر

جانتا ہی ہر اک یہ سب باتیں
پھر بھی خالی نہیں حوالاتیں

وہی جنگ و جدل وہی جھگڑے
وہی بغض و عناد کے رگڑے

یا خدا دے ہمیں وہ عقل سلیم
کہ سمجھ ہم سکیں ہر اک اسکیم

پڑ سکے پھر نہ کوئی زد ہم پر
کھل سکیں سایے نیک و بد ہم پر

ختم کر دیں یہ تفرقہ سازی　　آگ میں جھونک دیں تبر بازی
سب کریں مل کے مُلک کی خدمت　　دُور ہو اس کی عسرتِ و نکبت
حکمت و فن وطن میں پھیلائیں　　شاہراہیں وصل کی کُھل جائیں
علم و سائنس مُلک میں بھر دیں　　اس زمیں کو ہم آسماں کر دیں
ہم پہ کُھل جائیں سب وہ عقل کے راز　　ہیں جو یورپ کے طرۂ اعزاز
صنعتوں کی ہو گرم بازاری　　گاؤں گاؤں میں ہوں ملیں جاری
ریل، موٹر، جہاز، طیّارے　　خود یہ تیّار ہم کریں سارے
کبھی صحرا ہو مستقر اپنا　　ہو کبھی ٹاپوؤں میں گھر اپنا
مانچسٹر پہ خاک ڈالیں ہم　　گھر سے جاپان کو نکالیں ہم
نہ رہیں ہم کسی کے بھی محتاج　　مُلک اپنا ہو اور اپنا راج

ہم میں گر اتحاد ہو جائے
مُلک آباد و شاد ہو جائے

عہدِ فرنگ

ہم نشیں اس کی تفاصیل ہیں ہے طول بہت — برکتیں اپنے میں رکھتا ہے جو کچھ عہدِ فرنگ
خیر سے ایک صدی بھی نہیں گزری اب تک — مِل گیا خاک میں سب مُلک کے اقبال کا رنگ
اب نہ دولت کے وہ چشمے ہیں نہ سطوت کے نشاں — ہر طرف قحط ہے ہر سمت ہے افلاس سے جنگ
اب وہ مردانگی و عزم نہ وہ جوش و خروش — نہ وہ ہمت نہ شجاعت نہ وہ جرأت نہ اُمنگ
نہ ارادوں میں بلندی نہ خیالات وسیع — سگ و روباہ ہیں اب تھے جو کبھی شیر و پلنگ
نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ اگلا سا خلوص — نہ برہمن میں وہ انداز، نہ وہ شیخ میں ڈھنگ
کیا رواداری و ہمدردی و اخلاق کا ذکر — دیکھیے جس کو نظر آتا ہے گویا وہ نہنگ
عید آتی ہے تو لاتی ہے قیامت سر پر — ہولی آتی ہے تو برساتی ہوئی خشت اور سنگ
نہ دسہرے میں وہ رونق نہ محرم میں وہ شان — برچھیاں سینوں میں پنہاں ہیں گلوں میں خدنگ
ایک ہنگامۂ محشر ہے بپا چار طرف — گرم ہے معرکۂ دشنہ و شمشیر و تفنگ
ہیں جڑیں فتنہ و تفریق کی اتنی مضبوط — کوئی کھودے تو وہ پاتال میں دے جا کے سرنگ
جادۂ صلح کا طے ہونا ہے اک امرِ محال — اہلِ تدبیر کے بھی پانو میں ہے راہ میں لنگ
مِٹ گئے آشتی و امن و اماں کے نقشے — کھا گیا شیشۂ دل کو حسد و بغض کا زنگ

ہر طرف پھیلی ہو بے غیرتی و بے شرمی
پھر رہی ہو نئے فیشن کی ڈھن ننگ دھڑنگ

پائمی ڈھیل اس قدر آزادی و خود رائی نے
کٹ گئی غیرت و ناموس و حمیت کی پتنگ

اب ہیں بے باکی و عریانی کے معنی نیچر
دورِ تہذیب نے بالکل ہی بدل دی فرہنگ

نہ اب آنکھوں میں حیا ہو نہ دلوں میں احساس
ڈال دی ہو دل و دیدہ نے عجب رنگ میں بھنگ

اک طرف فقر و فلاکت کے ہیں اژدر سر پر
اک طرف کھولے ہیں منہ جورِ حکومت کے نہنگ

آج دنیا میں نہیں کوئی بجز یاس اپنا
ہمدم و ہم نفس و ہم قدم و ہم آہنگ

یا یہ حالت تھی کہ دنیا میں کوئی ملک نہ تھا
صنعت و حرفت و ایجاد میں اپنا پاسنگ

یا یہ عالم ہو کہ جاپان اگر رحم نہ کھائے
اپنی میت کو کفن کے بھی ہو ملنے میں درنگ

اب وہاں نوحۂ ماتم ہو کہ آوازِ فغاں
گوش پرور تھے جہاں سازِ دف و نغمۂ چنگ

فاقہ مستی نے کچھ اس درجہ کیا نشہ ہرن
نہ رہا تاک میں وہ کیف نہ مے میں وہ ترنگ

کھا گیا بحرِ تفکر میں ادب بھی غوطہ
فاقہ و گرسنگی نے وہ کیا قافیہ تنگ

یا یہ نقشہ تھا کہ تھا روئے زمیں پر زہ نہا
نہ تو اپنا سا جری اور نہ اپنا سا دبنگ

یا یہ صورت ہو کہ اغیار تو ہیں پھر اغیار
آپ ہم اپنی نگاہوں میں بھی ہیں موجبِ ننگ

بڑھتی ہی جا رہی ہیں ابتریاں روز بروز
چرخ کی تفرقہ سازی کے ہیں کیا کیا نیرنگ

اس قدر پستی و ادبار کے ہوتے ہوئے بھی
مخلصی کے نظر آتے نہیں ہم کو کوئی ڈھنگ

پھر بھی احساس نہیں ہے ہمیں اس کا افسوس
یاد رکھو کہ یہ جُملے ہیں نقوشِ ارژنگ

سر کھجانے کی بھی اک دن نہ اجازت ہوگی
ہیں مسلط جو سروں پر یونہی برکاتِ فرنگ

اتحادِ وطن

اسی کے دم سے ہے وابستہ ہر مفادِ وطن
یہی ہے باعثِ قطعِ رہِ مرادِ وطن
اسی کے تابعِ فرماں ہے رودادِ وطن
یہی ہے صرف یہی وجہ اعتمادِ وطن

عجیب چیز ہے دُنیا میں اتحادِ وطن

یہ ڈھب سکھاتا ہے ایثار اور دیانت کے
یہ گُر بتاتا ہے ہمدردی و اخوت کے
اسے ہیں یاد طریقے تمام حکمت کے
یہ جانتا ہے سبھی پیچ و خم سیاست کے

عجیب چیز ہی دُنیا میں اتّحادِ وطن

پناہ مانگتی ہیں فاقہ مستیاں اِس سے
ہمیشہ کانپتی ہیں خود پرستیاں اِس سے
عروج پاتی ہیں عالم میں ہستیاں اِس سے
سدا ہیں لرزہ براندام پستیاں اِس سے

عجیب چیز ہی دُنیا میں اتّحادِ وطن

اسی کی جیب میں ہیں کُنجیاں خزانوں کی
اسی کے پاس ہی کل سارے کارخانوں کی
اسی کے بس میں ہی کایا پلٹ زمانوں کی
اسی کے ہاتھ میں قسمت ہی نوجوانوں کی

عجیب چیز ہی دُنیا میں اتّحادِ وطن

بخار و برق پہ یہ اختیار قوموں کا
زمیں سے تا بہ فلک اقتدار قوموں کا
یہ عزّ و شان یہ جاہ و وقار قوموں کا
بس اتّحاد پہ ہی انحصار قوموں کا

عجیب چیز ہی دُنیا میں اتحادِ وطن

جو چاہتے ہو کہ ہو مُلک میں مؤقّر تم
تو ایک ہو کے رہو اب وطن کے اندر تم
نکال دو ابھی دشمن کو گھر سے باھر تم
کرو ذرا سی بھی کوشش بہم جو مِل کر تم
عجیب چیز ہی دُنیا میں اتحادِ وطن

بدترین ذہن و دماغ

ابھی ہیں مُلک میں ایسے ہزار ذہن و دماغ
جنھیں وطن کی تباہی کا کچھ ملال نہیں
تغیراتِ جہاں ہیں سب ان کے پیشِ نظر
مگر روش میں ذرا سا بھی اعتدال نہیں

ابھی ہیں ایسے بہت اہلِ حرص اہلِ طمع
کہ جن کے پیشِ نظر مال ہی تا آل نہیں
جنھیں مصالحِ ذاتی کی دُھن ہی آٹھ پہر
مفادِ قوم کا کچھ جن کے ہاں سوال نہیں

ابھی ملیں گے بہت ایسے خوش عقیدہ بزرگ ہی جزو دین وظیفہ جنھیں غلامی کا
جنھیں ہی قبلۂ مقصود سایۂ انگریز ہی شہرہ دور تلک جن کی نیک نامی کا

ابھی ملیں گے ہزاروں ہی ایسے بے غیرت جنھیں نہیں کوئی احساس اپنی خامی کا
مگن ہیں ذلّتِ ادبار، فقر و نکبت میں مجسّمہ ہیں غرض لعنتِ دوامی کا

یہی وجوہ ہیں قایم ہیں پستیاں جن سے
ہیں دفن زیرِ زمیں حق پرستیاں جن سے

"مُستقبل"

آنے والا ہی بہت جلد ایک ایسا عہد بھی دہر کے حالاتِ موجودہ فنا ہو جائیں گے
اور ہی ہو جائیں گے کچھ یہ زمین و آسماں اور ہی کچھ روز و شب صبح و مسا ہو جائیں گے
منقلب ہو جائے گا بالکل نظامِ کائنات چاند بے نور اور تارے بے ضیا ہو جائیں گے
رفعتوں پر ہر طرف چھا جائے گا ضعف و جمود عرش والے مایلِ تحت الثریٰ ہو جائیں گے

پستیاں کرلیں گی طے سارے مقاماتِ فراز
خاک کے ذرے ثریا تک رسا ہو جائیں گے

عظمت و ذلت کا سارا امتیاز اُٹھ جائے گا
ایک منزل میں شہنشاہ و گدا ہو جائیں گے

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داروں کا غرور
اہلِ نخوت راہیِ ملکِ فنا ہو جائیں گے

فقر و فاقہ کی جگہ لے لیں گے اطمینان و عیش
مفلس و مزدور آزادِ بلا ہو جائیں گے

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا نامِ ظلم و جبر
اہلِ استبداد سب بے دست و پا ہو جائیں گے

حاکم و محکوم میں باقی نہ ہوگا کوئی فرق
ایک اہلِ تخت و اہلِ بوریا ہو جائیں گے

منہدم ہو جائے گی دیوارِ زنداں خود بخود
اہلِ زنداں قیدِ محنت سے رہا ہو جائیں گے

ٹوٹ جائیں گی قفس کی تیلیاں اِک آن میں
چہچہوں سے بوستاں رنگیں نوا ہو جائیں گے

"صلۂ خدمت"

اے خادمانِ ملک تعجب کی جا نہیں
تم پر ستم کے ہاتھ جو گھالے گئے تو کیا

اہلِ نظر کو پھول سے بڑھ کر ہے ہر خلش
کانٹے تمہاری راہ میں ڈالے گئے تو کیا

عزت یہی ہے بزم میں اہلِ نیاز کی
بے عزتی سے تُم جو نکالے گئے تو کیا

گردن ہو اہلِ حق کی اسی کام کے لئے
پھندے تمھارے حلق میں ڈالے گئے تو کیا

اہلِ خلوص و صدق کا اعزاز ہے یہی
جوتے تمھارے سر پہ اچھالے گئے تو کیا

ہر خادمِ وطن کو ملا ہے فقط یہی
خدمت کا ابتدا میں صلا ہے فقط یہی

وطن کی بھلائی

جہالت ہی میں عمر اپنی گنوائی
ہمیں عقل افسوس اصلا نہ آئی

نہ دیکھی کبھی ہم نے دُنیا کی حالت
نہ سوچا کدھر جا رہی ہے خدائی

زمانے میں ہے دورِ امن و سکوں کا
مگر ہم نے لڑنے سے فرصت نہ پائی

وہی جنگ و خوں ریزی و بغض و کینہ
وہی سر پھٹوّل، وہی ہاتا پائی

کبھی مندروں پر ہیں بے وجہ دھاوے
کبھی مسجدوں پر ہے ناحق چڑھائی

دسہرے میں ہے ہر جگہ اک تصادم
محرم میں ہے ہر قدم پر لڑائی

یہ جو کچھ بھی ہے کس لئے ہو رہا ہے
کبھی غور کی اس کی نوبت نہ آئی

سب انگریز کی شعبدہ بازیاں ہیں　　　یہ اسکیم ہو سب اُسی کی بنائی
جو لڑ کر نہ ہم توڑ دیں اپنی قوت　　　تو ہو ملک میں کیونکر اس کی سمائی

اسی کی یہ در پردہ سب ٹکر میں ہیں　　　کسی کو ہو سائی کسی کو بدھائی
کبھی شہ کسی کو، کبھی شہ کسی کو　　　جو اس سے لگائی تو اس سے بجھائی

یہ جب تک مسلط ہی ہندوستاں پر　　　غلامی سے مشکل ہو اپنی رہائی
نکالیں اسے جلد اپنے وطن سے　　　جو ہم چاہتے ہیں وطن کی بھلائی
وگرنہ یونہی روئیں گے عمر بھر ہم
رہے گی ہمیشہ یونہی جگ ہنسائی

پھر ہم میں یا الٰہی کر اتحاد پیدا

ہندوستاں میں یا رب کر اتحاد پیدا
ہو اپنے ہر قدم سے راہِ مراد پیدا

ہر سو ہو نو نو خو نو صلح و یگانگت کا
باہم دلوں میں کر دے پھر اعتماد پیدا

یہ بغض و کینہ و شر ہو جائیں ختم یکسر
پھر ہوں دلوں کے اندر مہر و وداد پیدا

ملت فروشیوں کا کر سد باب یا رب
غداریِ وطن کا ہو انسداد پیدا

پامال جور کر دے ان مفسدوں کی ہستی
کرتے ہیں جو وطن میں شر و فساد پیدا

دشمن کے ساتھ لڑنا یا رب ہمیں سکھا دے
کر دے ہمارے دل میں عزم جہاد پیدا

باطل کے خوف سے ہم مرعوب ہوں نہ ہرگز
ایمان میں ہمارے کر اعتقاد پیدا

آزادیِ وطن کو خطرہ ہے جن کے دم سے
یا رب نہ ہوں وطن میں وہ بد نہاد پیدا

پھر ہوں وہی زمانے پھر ہوں وہی بہاریں
پھر ہم میں یا الٰہی کر اتحاد پیدا

چارۂ درد

جب مُلک ہو ادبار و غم و رنج کا مارا
ہر سمت ہو جب قحط و فلاکت کا نظارا
جب دل ہوں مصائب کے تواتر سے دوپارا
جب بھیک کے ٹکڑوں پہ ہو انساں کا گزارا
اس وقت بتائے کوئی اس درد کا چارا

جب ملک میں ہو کبر و رعونت کی خدائی
جب پٹنے لگے دولت و ثروت کی دُہائی
جب حق و صداقت پہ ہو باطل کی چڑھائی
جب قلب میں باقی نہ رہے ضبط کا یارا
اس وقت بتائے کوئی اس درد کا چارا

جب ولولہ و جوش کی فطرت ہو نظر بند
جب عدل و دیانت پہ حمایت کا ہو در بند
جب مُرغِ عمل کُنجِ حوادث میں ہو پر بند

جب قید تشدد میں ہو حریت آرا
اس وقت بتائے کوئی اس درد کا چارا

جب عام ہو ناچاری و بیکاری و افلاس
جوہر پہ نہ ہو جب نظرِ عامۃ الناس
ہم نرخ ہوں بازار میں جب مرمر و الماس

ناقابلِ برداشت ہو دنیا کا نظارا
اس وقت بتائے کوئی اس درد کا چارا

مزدور کی محنت کا ثمر جب نہ ہو کوئی
محتاج کی آہوں کا اثر جب نہ ہو کوئی
مفلس کے لیے راہ گزر جب نہ ہو کوئی

جز مرگ نہ ہو جب کوئی جینے کا سہارا
اُس وقت بتائے کوئی اس درد کا چارا

بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

بار الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
پھر اسے آزاد کر
پھر اسے آباد کر
پھر اب اسے یاد کر
پھر اب اسے شاد کر
سخت مصیبت میں ہی غیب سے امداد کر
بار الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

کر پھر اسے سربلند
کر پھر اسے ارجمند
قیدِ محن تا بہ چند

کر پھر اسے فتح مند
اُجڑا ہوا ہی یہ گھر پھر اسے آباد کر
بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

دوٗر ہو پھر دل سے زنگ
ختم ہو آپس کی جنگ
پھر ہوں وہی رنگ ڈھنگ
پھر ہوں وہی ساز و چنگ
پھر نئے انداز سے تو اسے دِل شاد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

رنج و الم کب تلک
جور و ستم کب تلک
جنگ بہم کب تلک
روز کا غم کب تلک
ختم بس اب یا خدا ملک سے بیداد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

رکھ لے پھر اس گھر کی لاج
پھر ہوں عطا تخت و تاج
بدلے نظامِ سماج

ختم ہو اب سامراج
قومیتیں اس کے خلاف جتنی ہوں برباد کر
بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

تقسیمِ دولت

ہند کی دولت کا اسّی فی صدی صرف آدھے فی صدی کے پاس ہے
ان میں بھی ہیں تین چوتھائی وہ لوگ نام نیٹو سے جنھیں آتی ہے قے
جس جگہ تقسیمِ سرمایہ ہو یوں امن و آزادی وہاں ہوں خاک شے
سَو میں جب ننانوے ہوں فاقہ کش ایک ہو جب نوحۂ ماتم کی لے

مُلک میں چھایا رہے پھر بھی جمود
تُف بر اہلِ ہند و بر احساس دے

یاد ہی

جان بل صاحب جو ہیں آج اس قدر نیک و شریف ہم کو ان کا ہند میں تشریف لانا یاد ہی
اوّل اوّل جب ہوا ہی ذاتِ والا کا نزول ہم کو وہ پُر ہول و پُر وحشت زمانہ یاد ہی
یاد ہیں ہم کو سب ان کے مکر ساری سازشیں ان کی عیاری و فطرت کا فسانہ یاد ہی
جب ہمارے مال و دولت پر ہوئی ڈاکہ زنی ہم کو اس قیدِ ستم کا کارخانہ یاد ہی
کی گئی جب صنعت و حرفت ہماری پائمال ہم کو وہ ناپاک دورِ ظالمانہ یاد ہی
جب ہمارے اہلِ فن کی اُنگلیاں کاٹی گئیں اب تک ان کا درد و غم سے تلملانا یاد ہی
جب ہوئے ہم فقر و ناداری سے برباد تباہ ہم کو اب تک اس مصیبت کا زمانہ یاد ہی
جس طرح ہم سے ہماری سلطنت چھینی گئی یاد ہی ہاں وہ سلوکِ وحشیانہ یاد ہی
یاد ہی ہم کو وہ ان کے تفرقے کی پالیسی وہ شہیں دے کر ہمیں باہم لڑانا یاد ہی
جس طرح چھینا گیا ہم سے ہمارا علم و فضل ہم کو ان بے رحمیوں کا بھی فسانہ یاد ہی
جب ہمارے پاؤں میں تھیں بیڑیاں گردن میں طوق ہم کو اب تک وہ پُرانا قید خانہ یاد ہی
تر ہوئے تھے جو گلی کوچے ہمارے خون سے ہم کو وہ ہر ہر جگہ ہر ہر ٹھکانا یاد ہی
آپ سب کچھ بھول بیٹھے ہیں مگر بندہ نواز ہم کو ان کی ہر ادائے مجرمانہ یاد ہی

ماضی و حال

مدہوش تھا جب بادۂ غفلت سے زمانہ
اس انجمنِ دہر میں ہشیار ہمیں تھے

یا بے خبرِ کون و مکاں آج ہمیں ہیں
یا رازِ دو عالم سے خبردار ہمیں تھے

یا آلۂ بشکستہ و ناکارہ ہمیں ہیں
یا فتح کی چلتی ہوئی تلوار ہمیں تھے

یا اپنی ہی منڈی میں ہیں ٹکسال سے باہر
یا مصر کی بھی رونقِ بازار ہمیں تھے

یا دود ہمیں راکھ ہمیں خاک ہمیں ہیں
یا برق ہمیں شعلہ ہمیں نار ہمیں تھے

یا منزلِ مقصود سے گمراہ ہمیں ہیں
یا راہبر و قافلہ سالار ہمیں تھے

یا تودۂ خار و خس و خاشاک ہمیں ہیں
یا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہمیں تھے

یا آج خزف ریزہ و خرمہرہ ہمیں ہیں
یا لعل ہمیں، گوہرِ شہوار ہمیں تھے

ہاں یاد ہے کچھ اے وطنِ خفتہ مقدر
وہ عہد کہ جب طالعِ بیدار ہمیں تھے

ختمِ مصیبت

شکرِ خدا کہ آنے ہی کو ہے نویدِ عیش — یعنی اب اختتامِ مصیبت کا وقت ہے
وہ تیرگیٔ شامِ الم ختم ہو چکی — اب روشنیٔ صبحِ سعادت کا وقت ہے
ہنگامۂ شکوہ و حشم سرد پڑ چکا — اب ذلتِ امارت و ثروت کا وقت ہے
عہدِ عروج شوکت و رفعت گزر چکا — بس اب زوالِ دولت و حشمت کا وقت ہے

ہاں توڑنا ہی چاہتے ہیں دم جفا و جور — ہاں ختمِ بربریت و ق[illegible] کا وقت ہے
ہاں نخوت و غرور کی سانسیں ہیں آخری — ہاں خاتمے پہ عجب و رعونت کا وقت ہے
مکر و دغا ہو ڈپلومسی ہو کہ پالسی — سب کی شکست سب کی ہزیمت کا وقت ہے
ہنگامِ کامرانی و اقبال آگیا — بس اب فنائے عہدِ نحوست کا وقت ہے

اے ہند پائمال و تبہ حال مژدہ باد
بس اب ترے نظامِ حکومت کا وقت ہے

"ایڈریس"

(جیل سے رہا ہونے والے ایکسیج کو)

جوانانِ وطن جاتے ہو زنداں سے خدا حافظ
مگر اپنے فرائض سے کہیں غافل نہ ہو جانا

اُٹھانا زحمتِ رنج و بلا ثابت قدم رہ کر
حوادث ہائے زنگار نگ سے بددل نہ ہو جانا

تمہارے سر میں بیش از بیش ہو سودائے حریت
کہیں محوِ فریبِ سختیٔ منزل نہ ہو جانا

بُلائے گی تمھیں اپنی طرف آسائشِ گیتی
کہیں بہرِ خدا تم اس طرف مائل نہ ہو جانا

ڈرائے گا تمھیں خوف و ہراسِ ابتلا اکثر
کہیں دوں ہمتانِ ملک میں شامل نہ ہو جانا

ہٹائے جاؤ گے تم حق پرستی کی حمایت سے
کہیں ناحق اسیرِ حلقۂ باطل نہ ہو جانا

دیا جائے گا تم کو درس غداریٔ ملت کا
کہیں اس زہر کی تاثیر سے غافل نہ ہو جانا

فریبِ مصلحت بینی میں آکر اہلِ ظاہر کے
کہیں باطن میں زید و عمر کے قائل نہ ہو جانا

تمہارا جذبۂ ایثار و خدمت رنگ لائے گا
مگر یہ ہی کہ بے پروائے مستقبل نہ ہو جانا

"جواب"

(سنٹرل جیل لکھنؤ کے نائب جیلر کی مدلل ہمدردیوں کا)

اشرار کے ظلم و ستم و جور و جفا سے
مانا کہ اب اک حشر بپا ہو کے رہے گا

مانا، وطن و قوم کی خدمت کا فدائی
بے نام و نشاں ہو کے فنا ہو کے رہے گا

مانا کہ پرستارِ حق و صدق و دیانت
آخر تہِ شمشیرِ جفا ہو کے رہے گا

حریتِ کامل کا جو ہوگا متمنّی
سر اُس کا بس اب تن سے جُدا ہو کے رہے گا

جس سر میں نظر آئے گا سودائے حکومت
پامالِ ستم ہائے بلا ہو کے رہے گا

جس سینے میں ہوگی خلشِ دردِ اخوت
آماج گہِ تیرِ قضا ہو کے رہے گا

چاہے گا جو زنجیرِ غلامی سے رہائی
ہر بند سے بند اُس کا جُدا ہو کے رہے گا

آجائے گا اِک کلمۂ حق جس کی زباں پر
خنجر کے تلے اُس کا گلا ہو کے رہے گا

کچھ بھی ہو مگر یہ تو یقینی ہے کہ اب ہند
اغیار کے پنجے سے رہا ہو کے رہے گا

ہماری آزادی

یہ واویلا ہے کیوں کس واسطے ہیں لوگ فریادی
اُٹھائی جا رہی ہے کیوں عبث تحریکِ آزادی
یہ آزادی جو حاصل ہے ہمیں آخر یہ کیا کم ہے
اب اس کے بعد کیا رونا ہے اب کس بات کا غم ہے
جو سچ پوچھو تو ہم آزاد و خود مختار ہیں اب بھی
باطمینان زیرِ سایۂ سرکار ہیں اب بھی
میسر ہیں ہمیں سب راحتیں عیش و مسرت کی
گزرتی ہیں بڑے آرام سے گھڑیاں فراغت کی
کہیں بیٹھیں، کہیں اُٹھیں کہیں آئیں کہیں جائیں
یہ ناممکن کہ اپنے پر کسی کو معترض پائیں

دھڑلے سے شرابیں ہم کو پینے کی اجازت ہے
ہمیں دروازۂ مے خانہ گویا بابِ جنت ہے

نہ سیندھی اور تاڑی سے ہی کوئی روکنے والا
نہ کوئی سُلفہ و بنگ و چرس پر ٹوکنے والا
کھلے بندوں سرِ بازار کرتے ہیں ہم اوباشی
ہمیں لیسنس دیتی ہی حکومت بہرِ عیاشی

جُوا ہم کھیل سکتے ہیں باطمینانِ رُوحانی
ہمارے "پھڑ" ہیں قایم سب پولیس کی زیرِ نگرانی
نہ ہو سٹے پہ ہم کو کرنے والا کوئی فہمایش
نہ ہم کو لاٹری ہی ڈالنے میں ہی کوئی کاہش
حکومت خود ہمارے حوصلے اکثر بڑھاتی ہی
ہمارے ساتھ برج اور ریس میں بازی لگاتی ہی

نئی تفریح ہیں عریاں کلب احباب میں قایم
جہاں کوسوں نہیں خوف و خیالِ لومت ولایم
جہاں شرم و حجاب و غیرت و عفت گنوارپن ہی

جہاں آوارگی و گم رہی کا نام فیشن ہے
جہاں پردے کا سسٹم باعثِ تخریب ہے گویا
جہاں عصمت فروشی داخلِ تہذیب ہے گویا
یہ سب کچھ دیکھتی ہے اور حکومت چُپ ہے بیچاری
مخل ہو کر وہ ڈالے کیوں اِس آزادی میں دُشواری

سینما ملک میں چاروں طرف پھیلے ہیں کثرت سے
فضائے ہند ہے معمور جذباتِ محبت سے
برہنہ رقص، عُریاں ولولے، بے باک تصویریں
ہمارے دِل بہلنے کی ہیں کیا دلچسپ تدبیریں
جوانانِ وطن تھا فرض جن کو صف شکن بننا
وہ اک شیریں کی خاطر چاہتے ہیں کوہ کن بننا
نہ ہم کو دین کا غم ہے نہ کچھ دُنیا کی پروا ہے
بس اب امپیریل ہے راکسی ہے یا منروا ہے
حکومت کو ان احساسات میں ہے ہم سے ہمدردی

تو کیوں ڈٹ کر نہ دیں اس راہ میں ہم دادِ پامردی

امورِ مذہبی میں ہے ہمیں آزادیٔ کامِل
رواداری کا کوئی شائبہ جس میں نہیں شامِل
منائے جاتے ہیں تیوہار سنگینوں کے پہرے میں
عجب اک شان ہوتی ہے محرم اور دسہرے میں
حقوقِ باہمی کی ہے بہت ہی سخت نگرانی
نہ بج سکتا ہے باجا اور نہ رک سکتی ہے قربانی
حکومت کی حمایت کا کھُلا ہے سب پہ دروازہ
اُسے اِس باب میں تشویش ہے زاید از اندازہ
مقدر سے یہ سب آزادیاں حاصل ہیں جب ہم کو
پریشاں کس لیے کرتا ہے لیڈر بے سبب ہم کو

کوئی ہے ابو جہل تو کوئی ہے ابو الہول

ہے گرچہ اِس انجمنِ نازہ کا ماحول
اے شیخ وہاں تیرے تقدس کا نہیں ڈول

عشوہ ہے کہ سنگین لیے مجھ پہ ہے تیار
غمزہ ہے کہ تانے ہے مرے واسطے پستول

ہیں ایک سے دونوں ہی وہ مفتی ہوں کہ قاضی
کوئی ہے ابو جہل تو کوئی ہے ابو الہول

ایسا کوئی سر ہم نے زمانے میں نہ دیکھا
جس پر نہ جڑی ہو ستم چرخ نے اک دھول

اے بندۂ تہذیب و تمدن، ہمیں بتلا
اپنا کوئی ایسا بھی عمل، جو نہ ہو بے ڈول

اک جلسے میں کر دی تھی کہیں بھول کے تقریر
لاحق ہے اسی روز سے ہم کو سلس البول

جس قول کی تصدیق کرے تیرا عمل بھی
گر ہو تو بتا واعظِ دیں ایسا کوئی قول

کرسی بھی ہے، شک ہیٹ بھی، سگرٹ بھی، کرم بھی
سب کچھ ہے، مگر یہ ہے کہ روٹی کا نہیں ڈول

بھوپال کے یارانِ طریقت ارے توبہ
پڑھنی ہی پڑی حضرتِ احمق کو بھی لاحول

ہمارے بچے

انھیں بچوں پہ ہیں موقوف گھر کی ساری امیدیں
یہی بچے ہمارے جانشیں ہوں گے جواں ہو کر
کرو ان کو مزیّن جوہرِ علم و سیاست سے
کہ چمکیں ہند میں یہ ایک دِن قومی نشاں ہو کر
کرو پیدا خیالوں میں تم ان کے رفعت و عظمت
کہ آیندہ رہیں یہ اس زمیں پر آسماں ہو کر
بچاؤ ان کو تفریق و تعصّب کی ہواؤں سے
رہیں دو قالبوں میں یہ ہمیشہ ایک جاں ہو کر
انھیں حرص و ہوا و فتنہ و شر سے الگ رکھو
رہیں مُلک و وطن میں دعوتِ صلح و اماں ہو کر
انھیں تعلیم دو اخلاق کی ایثار و خدمت کی
کہ رہنا ہی انھیں قوم و وطن کا پاسباں ہو کر

جو بچپن میں ہماری تربیت بھی ہو گئی ہوتی
نہ رہتا آج یوں طوقِ غلامی حرزِ جاں ہو کر
اگر احساسِ غیرت ہم میں پیدا کر دیا جاتا
تو رہ سکتے نہ تھے انگریز ہم پر حکمراں ہو کر
اگر رکھا نہ جاتا ہم کو بیگانہ حمیّت سے
تو رہتے ہم یقیناً کامیاب و کامراں ہو کر

گزشتہ غفلتوں کی کچھ تلافی ہے یونہی ممکن
کہ یہ بچّے کریں کچھ قوم کی خدمت جواں ہو کر
ہمارا فرض ہے ہم ان کو اِس قابل بنا جائیں
کہ دُنیا میں رہیں یہ عزّتِ ہندوستاں ہو کر

"فرضِ انسانی"

فرض ہے انسان پر تبلیغ حق و حریت
بس یہی اک چیز ہے حاصل مآلِ زندگی
خدمتِ ملک و وطن کر کے تمھیں بھی دوستو
پیش کرنی چاہیئے بہتر مثالِ زندگی

تم نے اپنی زندگی جس طرح چاہی کاٹ دی
کیا کیا لیکن مفادِ ملک و ملت کے لئے
کیا کیا ہاں کیا کیا اہلِ وطن کے واسطے
کیا کیا آیندہ نسلوں کی حفاظت کے لئے

ملک محکومی کی زنجیروں میں ہے جکڑا ہوا
اس کی آزادی کی بھی ترکیب کچھ سوچی گئی؟
ہر طرف پھیلی ہے تفریق و تعصب کی وبا
اس کے دفیعے کی بھی تدبیر کوئی کی گئی؟

اے وطن والو! وطن میں یوں گزارو زندگی
بعد مرنے کے تمھارا ذکر ہو عزت کے ساتھ
یہ نہ ہو گر نام آ جائے خدا ناخواستہ
پھیر لیں اہلِ وطن منہ ذلت و نفرت کے ساتھ

دھرم و ایمان

بہت دن سے وطن میں اک محاذِ جنگ قایم ہے | کہیں ہے دھرم کو خطرہ کہیں ایمان کو خطرہ
بپا ہیں سخت طوفاں رونما ہیں سخت ہنگامے | کہیں ہے وید کو خطرہ کہیں قرآن کو خطرہ
کہیں مسجد کو خطرہ ہے شوالے کے مہنتوں سے | کہیں ہے خانقہ والوں سے دیواستھان کو خطرہ
کہیں مسلم کو خطرہ اپنے ایمانی تحفظ کا | کہیں ہندو کے پوجا پاٹ کے سمان کو خطرہ
کہیں شدھی کے پرچارک کو خطرہ دھرم رکھشا کا | کہیں تبلیغ کے جھنڈے کی آن و بان کو خطرہ
نہیں ہوتا کوئی ایسا منٹ چوبیس گھنٹے میں | نہ رہتا ہو وطن والوں کے مال و جان کو خطرہ
یہ ساری پیش بندی ہے فقط اس بات کی خاطر | کہ لاحق ہو نہ برٹش راج کے ایوان کو خطرہ
یہ ٹھیکے دار دین اور دھرم کے اس کے بھی ضامن ہیں | نہ پیدا ہو مفادِ اہلِ انگلستان کو خطرہ
یہ خانہ جنگیاں جتنی ہیں سب کا مدعا یہ ہے | نہ ہرگز رونما ہو جان بل کی جان کو خطرہ
غلامانِ ازل یعنی یہ جھوٹے پیشوائے دیں | لگا رہتا ہے ہر دم جن کے دسترخوان کو خطرہ
وہ کب چاہیں گے کوئی اس طرح کا انقلاب آئے | کہ ہو محسوس اُن کے امن و اطمینان کو خطرہ

ہمارا فرض ہے ہم ان الفسنگوں کو فنا کر دیں
کہ ہے ان کے سبب سے عام ہندستان کو خطرہ

خطرہ

بجا ارشاد ہوتا ہی جنابِ حضرتِ واعظ
کہ ہی ہندوستاں میں آج کل اسلام خطرے میں
جو اِس ارشادِ عالی کو غلط جانے وہ کافر ہی
کہ ہی اب فرقہ بندی کے مشن کا کام خطرے میں
یقیناً دینِ قیم مستقل خطرے کے اندر ہی
اگر ہی ذاتِ والا کا نمود و نام خطرے میں
وقارِ قومی و ملی کو بے شک ہی قوی خطرہ
اگر آں قبلہ کا ہی خلعت و انعام خطرے میں
بلاشک مذہب و ملت پہ ہی خطرات کی یورش
اگر ہیں اعتقاد و فتنۂ اوہام خطرے میں
یہ سب خطرے بجا، لیکن جنابِ قبلہ و کعبہ
نظر آتا ہی مجھ کو آپ کا انجام خطرے میں

ہندستان کی گزشتہ حالت

پچھلی باتیں جب بزرگوں سے کبھی سنتا ہوں میں
ہند کی موجودہ بدحالی پہ سر دھنتا ہوں میں

اک زمانہ تھا کہ ہندستان، ہندستان تھا
دولت و آسودگی و عافیت کی کان تھا

لذتِ عیش و سرور و لطف سے دل سیر تھے
ہُن برستا تھا زر و گوہر کے ہر سو ڈھیر تھے

لہلہاتی کھیتیاں تھیں اور تر و تازہ تھے باغ
سنبل و ریحان و نسریں سے معطر تھے دماغ

مجلسیں تھیں، محفلیں تھیں، جشن تھے تیوہار تھے
عیش کی گھڑیاں تھیں بے فکری کے کاروبار تھے

دعوتیں تھیں، دعوتوں میں اہتمامِ عود و چنگ
ہر طرف یا قہقہے یا چہچہے، یا ناچ رنگ

رات دن لہو و لعب کا شور بازاروں میں تھا
تذکرہ مہر و وفا کا ہر گھڑی یاروں میں تھا

دل غمِ امروز و فردا سے نہ رکھتے تھے ہراس
ذہن فکرِ نفع و نقصان آنے دیتے تھے نہ پاس

تھے سدا برت اک طرف مہمان خانے اک طرف
جشنِ عشرت تھا اک طرف تھے، شادیانے اک طرف

اہلِ حکمت کے لئے شاہی خزانے وقف تھے
صنعت و حرفت کی خاطر کارخانے وقف تھے

دامنِ اربابِ فن تھا، گوہر و مرجاں سے پُر
روندتے تھے پاؤں میں اہلِ کمال الماس و دُر

شہر دانشا کے لئے رہتے تھے شاہی در کھلے
لاکھ دروازے تھے نعمت کے ادیبوں پر کھلے

علم و فن کے قدرداں تھے گوشے گوشے میں یہاں
ایک گھر ہوتا تھا اور پلتے تھے اُس سے خانداں

وقف تھی خدمت امیروں کی غریبوں کے لئے
ہر گھر اِک مامن تھا گویا غم نصیبوں کے لئے

شہر قصبہ، گانو، قریہ، ہر جگہ آباد تھی
بج رہی تھی چین کی بنسی رعیّت شاد تھی

صنعت اپنی تھی تجارت اپنی حرفت اپنی تھی
سب کچھ اپنا تھا جہاں میں جب حکومت اپنی تھی

ملک میں ناداری و افلاس یوں تھے پائمال
جس طرح آسودگی و عیش ہیں اب خستہ حال

ایک ہی اسٹیج پر مُسلم بھی تھے ہندو بھی تھے
ایک منزل میں جہاں درویش تھے سادھو بھی تھے

سب رہا کرتے تھے باہم بھائی بھائی کی طرح
ڈالتے تھے ملک و ملّت میں بھلائی کی طرح

سب کے سب تھے بامروّت بامحبت باوفا
آیۂ حُسنِ عمل، گنجینۂ صدق و صفا

سب کے سب تھے نیک خصلت، نیک طینت، نیک خو
سب کو تھی تعمیر و اصلاح وطن کی آرزو

جو یہاں تھا جوہرِ مردانگی میں فرد تھا
بچّہ بچّہ دانش و فرزانگی میں فرد تھا

مسجد و مندر کو مشقِ تفرقہ سازی نہ تھی
سُبحہ و زُنّار کی خو فتنہ پردازی نہ تھی

مُنسلک تھے ایک ہی رشتے میں شیخ و برہمن
ہر طرف دریا تھے صلح و آشتی کے موج زن

اپنی اپنی ملّتیں تھیں اپنے اپنے دین تھے
صدق و اخلاص و رواداری کے سب آئین تھے

ہر خوشی تھی ساتھ ساتھ اپنی ہر اک غم ساتھ ساتھ
روز ہوتے تھے دسہرے اور محرم ساتھ ساتھ

ہائے وہ دن کیا ہوئے اب وہ زمانے کیا ہوئے
یا الٰہی سب وہ پہلے کارخانے کیا ہوئے

اب شادابی و خوش حالی نہ وہ عیش و نشاط　　بے طرح پلٹی ہے طرح زندگانی کی بساط

عیش کے جلسوں کے بدلے اب ہے بزمِ شور و شین　　رات دن نغمے جہاں تھے اب سنے جاتے ہیں بین

ہیں فلاکت اور نحوست چھاونی چھائے ہوئے　　گدھ ہوا و حرص کے پھرتے ہیں منڈلائے ہوئے

مفلسی و بے زری کی ہر وبا پھیلی ہوئی　　مکر و عیاری کی ہے ہر سو ہوا پھیلی ہوئی

علم والے در بدر پھرتے ہیں روٹی کے لئے　　اہلِ فن محتاج بیٹھے ہیں لنگوٹی کے لئے

مل رہا ہے خاک و خوں میں جذبۂ حبِ وطن　　ہیں فدائے ملک و ملت کے لئے دار و رسن

اب نہ آپس میں محبت ہے نہ ربط و اتحاد　　ہر طرف برپا ہے اک ہنگامۂ شر و فساد

نام پر مذہب کے چلتی ہے سدا تلوار اب　　زور پر ملت فروشی کا ہے کاروبار اب

اک طرف ہیں دین کے خادم تبر تولے ہوئے　　ایک جانب دھرم کے سیوک ہیں منہ کھولے ہوئے

رات دن یا قتل و خوں ہے یا جدال و جنگ ہے　　یا وہ نقشہ تھا کبھی یا ملک کا یہ رنگ ہے

جی میں ہے جی بھر کے اِس حالت پہ ماتم کیجئے
جان بل صاحب کے قدموں کو دعائیں دیجئے

"تعلیم کا اثر ہندستان میں"

سنتے ہیں کہ تعلیم سے ہو جاتے ہیں پیدا
انسان کی فطرت میں صفاتِ ملکوتی

رکھتی ہیں جو اقوام درندوں کے خصائل
تعلیم کی برکت سے سدھر جاتی ہیں وہ بھی

جن قوموں کا شیوہ تھا ہمیشہ جدل و جنگ
تصویر ہیں اب آشتی و صلح و صفا کی

ہیں آج صفِ اولِ تہذیب میں وہ ملک
کل تک جو گنے جاتے تھے آوارہ و وحشی

جن لوگوں کی فطرت تھی نفاق و حسد و بغض
اب ہو گئی تعلیم سے کایا پلٹ ان کی

اب نورِ محبت سے فضا سب ہے وہ معمور
تفریق و تعصب کی جہاں چھائی تھی بدلی

رہتا تھا جہاں خون کا بازار سدا گرم
اب امن و اماں کی ہے پرستار وہ بستی

تھا غارت و تاراج سدا جن کا طریقہ
اب صلح پسند ان سے زیادہ نہیں کوئی

لڑتے تھے جو باہم دگر اب ہو گئے سب ایک
دشمن تھے جو آپس میں وہ سب بن گئے بھائی

ہیں سامنے امریکہ و یورپ کی مثالیں
کرتی ہیں جو اس قول کی تائید بدیہی

دیکھو تو حقیقت میں ہے تعلیم کا صدقہ
ورنہ یہ وہی "آن سویلائزڈ" ہیں وحشی

ہیں آج ترقی کی یہ جس آخری حد پر
دنیا میں مثال اس کی کہیں مل نہیں سکتی

یہ ان کی امارت، یہ لیاقت، یہ سیاست
یہ ان کا تمدن، یہ ترفع، یہ تعلی

یہ اُن کے خیالات، یہ عادات، یہ اطوار
یہ ان کے مقاصد، یہ مبانی، یہ مبادی

باہم دگر ان کا یہ خلوص اور یہ ایثار
یہ عزم جری اور یہ ارادوں کی بلندی

القصہ یہی ماننا پڑتا ہے کہ آخر
تعلیم اثر اپنا دکھاتی ہے یقینی

ہو جاتا ہے لیکن ہمیں اُس وقت تحیّر
جب ہند کی حالت پہ نظر جاتی ہے اپنی

جو چیز ہے دُنیا کے لئے باعثِ رحمت
افسوس کہ ہے اپنے لئے وجہِ تباہی

اُس شمع سے ہے اپنا مکان تیرہ و تاریک
جس شمع سے ہے نور فشاں محفلِ گیتی

جس شہد سے ہیں کام و دہن خلق کے شیریں
اُس شہد میں ہے اپنے لئے صبر کی تلخی

جس نہر سے سرسبز ہیں دُنیا کی زمینیں
اُس نہر کے پانی سے یہاں خشک ہے کھیتی

دنیا میں ہے تعلیم و تعلّم کی بدولت
اعمال کی اِصلاح، خیالوں کی درستی

اور ہند میں تعلیم کی برکت سے ہے ہر سمت
افلاس میں ادبار میں نکبت میں ترقی

ہیں نت نئے اسلوبِ قتال و جدل و جنگ
ہر لحظہ ہے اِک معرکۂ نو کی منادی

دامن سے چھٹا تھا نہ محرّم کا ابھی خون
میدان میں صف آکے دسہرے نے جما دی

ہولی ابھی بیٹھی بھی نہ تھی خاک اُڑا کر
پٹنے لگی ہر سمت بقر عید کی ڈگّی

مسجد کے نمازی ہیں کہیں مستعدِ جنگ
آمادۂ خوں ہیں کہیں مندر کے پجاری

تبلیغ جمائے ہے کسی سمت اکھاڑا　　میداں میں صف آرا ہے کہیں لشکر شدھی
ہے ایک طرف دین کی خدمت بھی مقدم　　ہے ایک طرف دھرم کا پالن بھی ضروری
ڈھونڈے سے بھی شاید نظر آئیں گے نہ دو دل　　ایسے کہ بہم جن میں نظر آئے صفائی
دل سوزی و ہمدردی و اخلاق کا کیا ذکر　　یا بندۂ اغراض ہیں سب یا مستغنی
چاہے بھی اگر کوئی فریقین میں سُلجھاؤ　　اِک دوسرے سے بڑھ کے نظر آئے گا ضِدی
پھر لطف یہ ہے ان میں جو ہیں پیشرو ملک　　سب وہ ہیں کہ تعلیم ہے جن کی بہت اونچی
بی اے بھی بہت ان میں ہیں ایم اے بھی بہت ہیں　　ایسے بھی ہیں لائے ہیں ولایت سے جو ڈگری
سائنس کے ماہر بھی ہیں قانون کے بھی مرد　　ہیں منتہیٔ فلسفہ و نحو و ادب بھی
لیکن انھیں تعلیم سے پہنچا ہی یہی فیض　　کرتے رہیں آپس میں یونہی تفرقہ سازی
ہر شخص نکالے گا یہی اس سے نتیجہ　　تعلیم تو اک جوہرِ خالص ہے یقینی

ہوتا ہے مگر ہم پہ جو اِس کا اثر اُلٹا
ہے اصل سبب اس کا فقط اپنی غلامی

"غلامی"

غلامی کیا ہے اسے محکوم جہل و ذلت و خواری
یہ اک لعنت ہے غیبی لعنتوں میں سے بڑی بھاری
وقار و غیرت و تمکین و عزّ و شان کی دشمن
یہ آسایش کی دشمن امن واطمینان کی دشمن
قدم جس سرزمینِ ملک پر اس نے جمایا ہے
عمل اپنا وہاں سے عیش و راحت نے اُٹھایا ہے
اثر ذرہ برابر ہے جہاں اس کی نحوست کا
کبھی سایہ بھی پڑ سکتا نہیں واں خیر و برکت کا
گرا دیتی ہے یہ انساں کو معیارِ شرافت سے
ہٹا دیتی ہے بالکل آدمی کو آدمیت سے
بشر صورت میں انساں ہے مگر حیواں سے بدتر ہے
بظاہر شیر ہے لیکن سگِ بے جاں سے بدتر ہے

یہ دین و مذہب و ایماں سے بے گانہ کرتی ہی
یہ اربابِ تمیز و ہوش کو دیوانہ کرتی ہی
لطافت سلب کرلیتی ہی یہ عالی دماغوں کی
طراوت خشک کردیتی ہی یہ سرسبز باغوں کی
بنا دیتی ہی بد اندیش یہ روشن خیالوں کو
مٹا دیتی ہی صدق و عدل کی زندہ مثالوں کو
سجھاتی ہی یہ انساں کو فریب و مکر و عیّاری
سکھاتی ہی یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ غدّاری
بہت مشکل ہی بچنا اس کی پیچیدہ لپیٹوں سے
یہ گردن باپ کی کٹوا کے دم لیتی ہی بیٹوں سے
عطا کرتی ہی کوتہ قامتی بالابلندوں کو
دکھا دیتی ہی یہ تحت الثریٰ رفعت پسندوں کو
محبّت سے یہ جس کے سر پہ اپنا ہاتھ دھر دے گی
یقین جانو کہ اُس کو قبر ہی میں بند کر دے گی

شرافت ہی نہ عزّت ہی حمیّت ہی نہ غیرت ہی
حذر اس مُلک سے جس مُلک میں اس کی حکومت ہی
بہم یہ دو دلوں کو اک جگہ ہونے نہیں دیتی
کہیں ہنسنے نہیں دیتی کہیں رونے نہیں دیتی
خدا ترسی و ہمدردی و احساسِ رواداری
یہ سب کی دُشمنِ جاں سب کی وجہِ خانہ مسماری
عمل کی قوّتوں کو روبکار آنے نہیں دیتی
کبھی باغِ مسرت میں بہار آنے نہیں دیتی
یہ مزدوری سے آگے اِک قدم بڑھنے نہیں دیتی
یہ بامِ ثروت و اقبال پر چڑھنے نہیں دیتی
بس اس کے راج میں افلاس ہی یا فاقہ مستی ہی
فلک سے مُن کے بدلے آگ ہر جانب برستی ہی
خدا کے نیک بندے دانے دانے کو ہیں آوارہ
سوا بے چارگی کے جن کا دنیا میں نہیں چارہ

سُن اے ہندوستاں اے ذلت و نکبت کے شیدائی
سراپا حسرت و عبرت ہمہ تن خوف و رسوائی
سُن اے جہل و تعصّب اے فساد و شر کے متوالے
ہَوا و حِرص والے کینہ و بُغض و حَسَد والے
اگر گھبرا گیا ہی اب ترا جی قعرِ پستی میں
اگر ہونا ہی تجھ کو رونما دنیائے ہستی میں
اگر تُو چاہتا ہی تجھ کو دُنیا آدمی جانے
اگر تیری یہ خواہش ہی زمانہ تجکو پہچانے
اگر تُو چاہتا ہی صاحبِ سیف و قلم ہونا
اگر ہی تجھ کو اہلِ رایت و طبل و علم ہونا
اگر گھُٹنے لگا ہی دم ترا کُنجِ مذلت میں
اگر ہونا ہی تجھ کو گام زن راہِ سعادت میں
اگر اُکتا گیا ہی بندشِ طوق و سلاسل سے
اگر آزاد ہونا چاہتا ہی واقعی دِل سے

اگر تو چاہتا ہے تیرا قبضہ بحر و بر پر ہو
اگر خواہش ہے تیری مالک دیہیم و افسر ہو
تو اُٹھ اور توڑ دے جہل و حماقت کی یہ زنجیریں
پلٹ جا اور پلٹ دے عالمِ امکاں کی تقدیریں
تعصب چھوڑ دے تفریق کی بنیاد کھُد وا دے
یہ دیوارِ دوئی جو درمیاں ہیں ہے اسے ڈھا دے
کہاں تو اور کہاں یہ سبحہ و زنار کے پھندے
خودی چھوڑ اور خدا کو مان اے اللہ کے بندے
دکھاوٹ ہو چکی خود بینی و عُجب و رعونت کی
نمایش چاہیئے اب عقل و ایثار و صداقت کی
دکھلائے تو نے برسوں زخم پشت و بازو و سر کے
بس اب ہتھیار رکھ دے لڑ چکا بس خوب جی بھر کے
بہم اس سر پھٹول پر بہت کچھ واہ وا ہولی
عدو خوش ہو لئے احباب میں آہ و بکا ہولی

بہت ہنسوا لیا اپنی حماقت پر زمانے کو
بس اب بتّی بتا بارود کے اُس کارخانے کو
وگرنہ یاد رکھ وہ وقت اب جلد آنے والا ہی
کہ تُو لوحِ جہاں سے یک قلم مٹ جانے والا ہی

علم کی ضرورت

جہاں میں ہر طرف ہی علم ہی کی گرم بازاری
زمیں سے آسماں تک بس اسی کا فیض ہی جاری
یہی سرچشمۂ اصلی ہی تہذیب و تمدّن کا
بغیر اِس کے بشر ہونا بھی ہی اک سخت بیماری
بناتا ہی یہی انسان کو کامل ترین انساں
سکھاتا ہی یہی اخلاق و ایثار و رواداری
یہی قوموں کو پہنچاتا ہی بامِ اوج و رفعت پر
یہی ملکوں کے اندر پھونکتا ہی رُوحِ بیداری
اسی کے نام کا چلتا ہی سکّہ سارے عالم میں
اسی کے سر پہ رہتا ہی ہمیشہ تاجِ سرداری
اسی کے سب کرشمے یہ نظر آتے ہیں دُنیا میں
اسی کے دم سے رونق عالمِ امکاں کی ہی ساری
یہ لاسلکی، یہ ٹیلیفون، یہ ریلیں، یہ طیّارے
یہ زیرِ آب و بالائے فلک انساں کی طرّاری
حدودِ استوا و قطبین سے یوں ہو گئے مدغم
کہ ہی اب رُبعِ مسکوں جیسے گھر کی چار دیواری

سمندر ہو گئے پایاب صحرا بن گئے گلشن	کیا سائنس نے بھی اعترافِ عجز و ناچاری
بخار و برق کا جرار لشکر ہی اب آمادہ	اگلوائے زمین و آسماں کی دولتیں ساری

غرض چاروں طرف اب علم ہی کی بادشاہی ہی
کہ اس کے بازوؤں میں قوتِ دستِ الٰہی ہی

نگاہِ غور سے دیکھو اگر حالاتِ انسانی	تو ہو سکتا ہی حل یہ عقدۂ مشکل بآسانی
وہی قومیں ترقی کے مدارج پر ہیں فائق تر	کہ ہی جن میں تمدن اور سیاست کی فراوانی
اسی کے زعم میں ہی جرمنی چرخِ تفاخر پر	اسی کے زور پر مریخ کا ہمسر ہی جاپانی
اسی کی قوتِ بازو پہ ہی مغرور امریکہ	اسی کے بل پہ ٹرکی ہو رہا ہی رستمِ ثانی
اشارے پر اسی کے نقل و حرکت ہی سب اٹلی کی	اسی کے تابعِ فرماں ہیں روسی و ایرانی
اسی کی جنبشِ ابرو پہ ہی انگلینڈ کا غرہ	اسی کے ہیں سب آوردے فرانسیسی و البانی
کوئی ملک اب نہیں جس میں یہ جوہر ہو نہ رخشندہ	نہ غافل اس سے چینی ہیں نہ شامی ہیں نہ افغانی
بغیر اس کے جو رہنا چاہتے ہیں اس زمانے میں	سمجھ رکھیں فنا ان کے لئے ہی حکمِ ربانی
زمانہ پھینک دے گا خود انھیں قعرِ ہلاکت میں	وہ اپنے ہاتھ سے ہوں گے خود اپنی قبر کے بانی

زمانے میں جسے ہو صاحبِ فتح و ظفر ہونا
ضروری ہی اُسے علم و ہنر سے بہرہ ور ہونا

ترقی کی کھلی ہیں شاہراہیں دہر میں ہر سو
نظر آتا ہی تہذیب و تمدن سے جہاں مملو

چلے جاتے ہیں اُڑتے شہسوارانِ فلک پیما
خراجِ تہنیت لیتے ہوئے کرتے ہوئے جادو

گزرتے جاتے ہیں دوسروں کو چھوڑتے پیچھے
کبھی ہوتا ہی صحرا استقران کا کبھی ٹاپو

کمر باندھے ہوئے دن رات چلنے پر ہیں آمادہ
دماغ افکار سے اور دِل و فورِ شوق سے مملو

الگ رہ کر خیالِ زحمت و احساسِ راحت سے
لگے ہیں اپنی اپنی فکر میں با خاطرِ یکسو

مگر ہم ہیں کہ اصلاحِس نہیں ہم کو کوئی اس کی
ہمارے پائے ہمت ان مراحل میں ہیں بے قابو

جہاں پہلا قدم رکھا تھا روزِ اولیں ہم نے
نہیں سرکے اُس اپنے اصلی مرکز سے بقدرِ مو

یہ حالت ہی کہ ہم پر بند ہی ہر ایک دروازہ
نظر آتا نہیں ہرگز کوئی امید کا پہلو

مگر وا حسرتا پھر بھی ہم اپنے زعمِ باطل میں
سمجھتے ہیں زمانے بھر سے آگے خود کو منزل میں

ضرورت ہی کہ ہم میں روشنی ہو علم کی پیدا
نظر آئے ہمیں بھی تاکہ اصل حالتِ دُنیا

ہمیں معلوم ہو حالات اب کیا ہیں زمانے کے
ہمارے ساتھ کا جو قافلہ تھا وہ کہاں پہنچا

جو پستی میں تھے اب وہ جلوہ گر ہیں بامِ رفعت پر
جو بالکل بے نشاں تھے آج ہی ان کا عَلَم برپا

ہماری خوبیاں سب دوسروں نے چھین لیں ہم سے
زمانے نے ہمیں اتنا جھنجھوڑا کر دیا ننگا

رواداری، اخوت، دوستی، ایثار، ہمدردی
خیالِ ملک و ملت، دردِ قوم، اندیشۂ فردا

یہ سب جوہر ہمارے تھے کبھی اے وائے محرومی
بنے ہیں خوبیِ قسمت سے جو اب غیر کا حصّا

اگر ہو جائیں راغب اب بھی ہم تعلیم کی جانب
تو کر سکتے ہیں اب بھی ملک میں ہم زندگی پیدا

بہت کچھ وقت ہم نے کھو دیا ہے لیکن اس پر بھی
اگر چاہیں تو کر دیں ہیچ وکو اپنے ہم پسپا

نکمّا کر دیا ہے کاہلی نے گو ہمیں لیکن
رگوں میں ہے ہماری خون ابھی تک دوڑتا پھرتا

کوئی مخفی حرارت گر ہمارے دِل کو گرما دے
ہمارے جسم میں پھر زندگی کی رُوح دوڑا دے

وطن والو بہت غافل رہے اب ہوش میں آؤ
اُٹھو بیدار ہو عقل و خرد کو کام میں لاؤ

تمہارے قوم کے بچوں میں ہے تعلیم کا فقداں
یہ گتھی سخت پیچیدہ ہے اس کو جلد سلجھاؤ

یہی بچے بالآخر تم سبھوں کے جانشیں ہوں گے
تم اپنے سامنے جیسا انہیں چاہو بنا جاؤ

بہت ہی رنجدہ ہو جائے گی اس وقت کی غفلت
کہیں ایسا نہ ہو موقع نکل جانے پہ پچھتاؤ

یہ ہے کارِ اہم دو چار اس کو کر نہیں سکتے
خدارا تم بھی اپنے فرض کا احساس فرماؤ

یہ بوجھ ایسا نہیں جس کو اُٹھا لیں چار چھ مل کر
سہارا دو، سہارا دوسروں سے اس میں دلواؤ

جو ذی احساس ہیں حاصل کرو تم خدمتیں ان کی
جو بے پروا ہیں اُن کو جس طرح ہو اس طرف لاؤ

غرض جیسے بھی جس مشکل سے بھی ہو یہ لازم ہے
تُم اپنے قوم کے بچوں کو اب تعلیم دِلواؤ

اگر تم مستعدی کو بنا لوگے شعار اپنا
یقیں جانو کہ مستقبل ہے بیحد شاندار اپنا

خداوندا! دعاؤں میں ہماری ہو اثر پیدا — شبِ غفلت ہماری پھر کرے نورِ سحر پیدا
ہمارے سارے خوابیدہ قُویٰ بیدار ہو جائیں — سرِ نو ہو پھر ان میں زندگی کی کر و فر پیدا
ہمیں احساس ہو ہم کون تھے اور آج ہم کیا ہیں — کریں احوالِ ملکی کے لئے گہری نظر پیدا
ملا رکھا ہے اپنے جوہرِ قابل کو مٹی میں — ہم اب بھی خاک سے کر سکتے ہیں لعل و گہر پیدا
اگر چاہیں تو ہم مشکل وطن کی دم میں حل کر دیں — ہزاروں صورتیں کر سکتے ہیں ہم کارگر پیدا
بظاہر گو ہم اک تودہ ہیں بالکل راکھ کا لیکن — اگر چاہیں تو خاکستر سے کر دیں سو شرر پیدا
وطن کا نکبت و افلاس کھو دیں ہم اشارے میں — جہاں ٹھوکر لگا دیں ہو وہیں سے کانِ زر پیدا
ہم اس منزل کے آخر پہنچ کر بالیقیں دم لیں — اگر کچھ تازہ دم ہو جائیں اپنے ہم سفر پیدا

جو کوشش متحد ہو کر کہیں اک بار ہو جائے
یقیں ہے ملک کی قسمت کا بیڑا پار ہو جائے

شدّھی و تبلیغ

چرخِ ظالم جس کی فطرت میں ہو تبلیغِ نفاق
دیکھ سکتا تھا بھلا کب ہند کا یہ اتفاق
یک بیک آئی صدا شملے سے ایسی کان میں
آگئیں سب ڈاڑھیاں اور چوٹیاں ہیجان میں
جم گئے میدان میں ہندو و مسلم کے پرے
سب دکھانے لگ گئے بڑھ بڑھ کے اپنے پینترے
اک طرف شدّھی کے متوالے بھجن گاتے ہوئے
اِک جانب پرچمِ تبلیغ لہراتے ہوئے
ایک جانب دھرم رکشک، دیس سیوک پوجیہ پاد
یعنی پنڈت جی سراپا جہل و سرتا پا فساد
ایک جانب حامیِ اسلام و شرعِ و ملک و دیں
یعنی مولانائے قبلہ حق کش و باطل گزیں

اِک طرف گئو متر، اگنی، دُھوپ اور پانی کا زور
اِک طرف ختنوں کے سامان اور مسلمانی کا زور
ایک ہُلّڑ مچ گیا اِک شور برپا ہو گیا
یاالٰہی یہ ابھی کیا تھا، ابھی کیا ہو گیا
ہو گئی کشتِ امان و عافیت یک سر تباہ
آ گئے بغض و حسد، جہل و تعصّب دوبراہ

مُلک میں تھے جو مُسلّم حامیانِ اتّحاد
لاٹھیاں لے لے کے میداں میں ہیں سرگرمِ جہاد
تھے جو مشہورِ زمانہ مصلحِ مُلک و وطن
ہیں وہی حق کے مقابل آج مصروفِ بزن
لوگ نادانی سے سمجھے تھے جنھیں احرارِ مُلک
آج ثابت ہو رہے ہیں سب وہی، غدّارِ مُلک

آہ اے ہندوستاں اے بدنصیب اے نامراد
تیری قسمت میں نہیں عیشِ وفاق واتحاد
یہ ترے پیارے جنھیں پیار اس قدر کرتا ہی تُو
جن کے ایثار دخلوص وصدق پر مرتا ہی تُو
آستیں کے سانپ ہیں درپے ہیں تیری جان کے
ہیں یہ دُشمن تیری حُرمت کے ترے ایمان کے
تو جنھیں اپنا سمجھتا ہی یہ بے گانے ہیں سب
پیٹ کے کتے ہیں لایعقل ہیں دیوانے ہیں سب
دیوتا تیرے نگلنے کو ہیں مُنھ کھولے ہوئے
تیرے سیوک تیرے سر پر ہیں تبر تولے ہوئے
مَیں یہ ڈرتا ہوں کہیں برباد ہو جائے نہ تُو
نذرِ جہل و فتنہ وا فساد ہو جائے نہ تُو

وقت ہی اب بھی ذرا کہ دے انھیں للکار کے
ورنہ کھا جائیں گے بھوت ان کو سمندر پار کے

آئینِ جدید

(یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو نافذ کیا گیا)

ہند کے سر پر مسلط ہو گیا آئینِ نو ... مکر و استبداد کی چوٹی سے فرما کر نزول

مغربی کاغذ تراشوں نے کم و بیش اک صدی ... صرف کی ہے تب بنا پایا ہے یہ خوش رنگ پھول

یہ وہ نسخہ ہے جو "بیمارِ توانا" کے لئے ... رہنمائی کر سکے گا تا بہ سرحدِ ذبول"

یہ وہ چشمہ ہے کہ جس کے سامنے آبِ فرات ... اپنی خِسّت اہلِ حق کے واسطے جائے گا بھول

جان بُل صاحب ہیں کتنے شکریے کے مستحق ... دے دیا ہندوستانی وحشیوں کو ہوم رول

اُن کا فرمانا اگر سچ ہے تو سچ کہتے ہیں وہ ... یہ وہ نعمت ہے بہت دُشوار تھا جس کا حصول

ہے حکومت کی یہ فیاضی بہت ہی شاندار ... اس رعایا پروری پر دنگ ہے عقلِ مغول

ان کو حیرت ہے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود ... ملک والے کس لئے ہیں اس کے اجرا سے ملول

کس لئے دھرتے ہیں اس کے نام سے کانوں پہ ہاتھ ... کیوں نہیں کرتے بلا چون و چرا اس کو قبول

خیر مقدم ہے کہیں اس کا سیہ پرچم کے ساتھ ... ہے کہیں ہڑتال کی صورت میں اظہارِ عدول

ہے کہیں جلسوں میں پاس اس کے لئے لعنت کا ووٹ ... ہے جلوسوں میں کسی جا اس کے سر پر خاک دھول

کوئی دیتا ہی اسے تشبیہ خارستان سے
کوئی کہتا ہی اسے باغِ سیاست کا ببول

مَیں یہ کہتا ہوں، یہ سب ہنگامۂ بحث و نزاع
دیکھیے چشمِ حقیقت سے تو ہی بالکل فضول
مُلک والوں سے حکومت کی ہی یہ اک دِل لگی
آج اس کو حق بھی ہی اس کا کہ ہی "اپریل فول"

بسنت

بسنت آیا ہی سر سوٗ دورِ عیش و کامرانی ہی
جدھر دیکھو مسرت ہی خوشی ہی شادمانی ہی
ہر اک پتّہ ہرا اِک گُل محوِ آرائش ہی گلشن میں
عنادِل نعرہ زن ہیں قمریوں میں نغمہ خوانی ہی
بہم دیگر مبارکباد کا غُل ہی احباب میں
کہیں جلسہ کہیں دورِ شرابِ ارغوانی ہی
مگر یہ سب مسرت اور خوشی اربابِ ظاہر کی
نگاہِ دوربیں میں ہیں اک ہلاکت کی نشانی ہی
جنھیں ہی کچھ بھی ہندستان کی حالت کا اندازہ
اُنھیں یہ سب سرور و کیف وجہ سرگرانی ہی
ہمارے مُلک کی بدقسمتی اب اور کیا ہوگی
کہ اسّی فی صدی کو یاں نہ دانہ ہی نہ پانی ہی

کروڑوں آدمی ہر سال مر جاتے ہیں فاقوں سے
پھر اس پر کثرتِ امراض قہرِ آسمانی ہے
کبھی نغمے یہاں تھے عیش کے مستی کے خوشیوں کے
مگر اب تو جدھر سنیئے صدائے نوحہ خوانی ہے
کوئی گھر بھی اگر ڈھونڈو تو نکلے گا نہ یاں ہرگز
جہاں اصلی مسرت اور حقیقی شادمانی ہے

سُنا ہے ہو رہا ہے اہتمام جُبلیِ شاہی
یہ گویا دوسری ہم پر بلائے ناگہانی ہے
یہاں روٹی نہیں ہے پیٹ کو مرتے ہیں فاقوں سے
وہاں چندوں سے ان کو دوسری دنیا بسانی ہے
یہاں اچھی طرح پانی بھی پینے کو نہیں ملتا
وہاں وہسکی و وائٹ ہارس کی ندی بہانی ہے
یہاں ہے جسم میں رنج و الم سے خون بھی عنقا
وہاں مدنظر رخسار کی سُرخی دکھانی ہے
یہاں ثابت لنگوٹی بھی نہیں ہے جسم پر اپنے
وہاں دھاک ان کو اپنی جامہ زیبی کی بٹھانی ہے
نہ معلوم اِس عذابِ دائمی سے کب رہا ہوں گے
حکومت ہے خداوندا کہ یہ چنگیز خانی ہے

اسمبلی کا الکشن

لیجسلیٹو الکشن کی ہے ہر سو گرم بازاری
فضائے ہند میں ہنگامہ برپا ہے قیامت کا
یہی چرچا ہے مذکور ہر اک کی زباں پر ہے
دو رویہ ہیں صفیں آراستہ مدِ مقابل میں
اِدھر ہے کانگریس بے یار و بے غمخوار و بے یاور
حکومت کی ستائی، اہل سرمایہ کی ٹھکرائی
پریشاں خاطر و آشفتہ حال و زار و افسردہ
حوادث اور مصائب ہمدم و ہمراز ہیں جس کے
لکھی ہے قید و بندِ ابتلا جس کے مقدر میں
مگر اس کے فدائی گو وہ ہیں بے انتہا خستہ
مصیبت سے پریشاں بھوک پیاس سے ٹھنڈ کے مارے
نہ کمل ہے نہ چادر ہے نہ تکیہ اور بچھونا ہے
نہیں چوبیس گھنٹے دوڑتے ان کی گزرتے ہیں

اسی نقطے پہ کھنچ کر آگئی ہیں قوتیں ساری
جسے دیکھو مرقع بن رہا ہے یاس و حسرت کا
زمیں پر ہے وہ غوغا شور جس کا آسماں پر ہے
الکشن کیا ہے خونیں معرکہ ہے حق و باطل میں
زمانے کی نگاہوں میں کوئی جس کی نہیں یاور
نہ زورِ زر، نہ جس کے پاس کچھ زورِ توانائی
شکستہ، ریختہ ژولیدہ یعنی ظاہراً مُردہ
غم و اندوہ و آزار و الم دم ساز ہیں جس کے
کہیں جس کے لئے مامن نہیں ہندوستاں بھر میں
کسی حالت میں ہیں اس کی خدمت پر کمر بستہ
برہنہ جسم ننگے پاؤں محنت سے تھکے ہارے
نہ اچھی طرح کھانا ہے نہ پوری نیند سونا ہے
مشقت سے ہراساں ہیں نہ وہ محنت سے ڈرتے ہیں

لئے پھرتا ہے دردِ جذبۂ حبِ وطن ان کو
لگی ہے دیش کو اُدّھار کرنے کی لگن اُن کو
یہی دُھن ہے کہ زنجیرِ غلامی اس کی کٹ جائے
کوئی ایسا جتن ہو ملک کی قسمت پلٹ جائے

اگرچہ سادہ و بے رنگ ہے طرزِ بیاں ان کی
مگر لبریز ہے درد و اثر سے داستاں اُن کی
زباں ہے گرچہ بالکل ٹھیٹھ، لہجہ بھی ہے دہقانی
مگر دل میں اُتر جاتی ہے بات ان کی باسانی
نمایندہ وہ ایسا چاہتے ہیں ملک والوں کا
جسے معلوم ہو دُکھ درد بھی کچھ خستہ حالوں کا
جسے کچھ رحم ہو ان بیکس و مفلس کسانوں پر
مصیبت ہی مصیبت ہے سدا جن بے زبانوں پر
جو دُنیا کے ہر اک آرام سے محروم رہتے ہیں
ہمیشہ فکرِ قرض و سود میں مغموم رہتے ہیں
ہے جن کی آبرو بالکل زمینداروں کے پنجے میں
پھنسے ہیں جو لگان اور آبپاشی کے شکنجے میں

ترس جن کو ہو کچھ ان جھونپڑوں کے رہنے والوں پر
کہ ہے چھائی ہوئی فاقوں کی زردی جن کے گالوں پر
لنگوٹی بھی نہیں جن کو میسر تن چھپانے کو
کہاں کی اوڑھنے کو فرد اور توشک بچھانے کو

جسے احساس ہو کچھ ہند کی موجودہ پستی کا
جسے غم ہو کچھ اہلِ مُلک کی فرقہ پرستی کا
جو یہ جانے کہ کیا کھاتے ہیں کیا سب لوگ پیتے ہیں
جو یہ جانے کہ بھوکوں مرنے والے کیسے جیتے ہیں

جو یہ جانے کہ جاڑے تاپ کر کیونکر گزرتے ہیں
جو یہ سمجھے کہ کتنے آدمی بے موت مرتے ہیں

یہی تبلیغ ہے ان کی یہی وہ سب سے کہتے ہیں
اسی کے واسطے ہر قسم کی تکلیف سہتے ہیں

بظاہر ہر جگہ مفقود ہیں آسانیاں ان کو
بنا رکھا ہے لیکن عزم نے کوہ گراں ان کو

نہ ذلت سے ہیں خائف اور نہ وہ عزت کے طالب ہیں
نہ مسرور بہ مناقب ہیں نہ مغموم مثالب ہیں

نہ ان میں ہیکڑی ہے اور نہ غصہ ہے نہ لالچ ہے
بس اچھے رہنما کی جستجو ہے اک یہی پچ ہے

لگے ہوں کتنے ہی ڈھیر ان کے آگے گوہر و زر کے
بھلا ممکن ہے کوئی دیکھ تو جائے نظر بھر کے

یہی جذبہ ہے سب میں ان کے گو نیسر ہوں یا در کر
پہنچنا چاہتے ہیں منزلِ مقصد پہ مر مر کر

یہی حالت ہے ان کے ووٹروں کی بھی کہ بیچارے
چلے آتے ہیں خوش خوش اپنے اپنے گاؤں سے سارے

ضرورت ان کو گاڑی کی نہ گھوڑے کی نہ موٹر کی
پیادہ پا چلے آتے ہیں جیسے فوج بے سر کی

کوئی ستو کوئی گڑ اور چنے ہمراہ لاتا ہے
کھلاتا ہے کچھ اوروں کو بھی کچھ وہ خود بھی کھاتا ہے

اگرچہ وہ ہزاروں پیچ میں لائے بھی جاتے ہیں
تشدد سے ڈرائے اور دھمکائے بھی جاتے ہیں

دیے جاتے ہیں گرچہ سیکڑوں جھوٹے فریب ان کو
سجھائے جاتے ہیں صدہا فراز ان کو نشیب ان کو

مگر ان کا ضمیر ان کو کہیں جانے نہیں دیتا
کسی کے ڈر کسی کے خوف میں آنے نہیں دیتا

وہ آتے ہیں یہی اپنے گھروں سے فیصلہ کر کے
کہ واپس جائیں گے ملک و وطن کا حق ادا کر کے

ادھر میداں کھچا کھچ پُر ہی مسلم کنڈیڈیٹوں سے
فسادِ ہضم کی بُو آرہی ہی جن کے پیٹوں سے

پرستارِ ابتذال و معصیت کے کبر و نخوت کے
پُجاری عترتِ طاغوت کے بندے حکومت کے

نہ جن کو مُلک کی پروا نہ جن کو قوم سے مطلب
نہ مذہب سے نہ جن کو کچھ صلوٰۃ و صوم سے مطلب

نہ جن میں قابلیت ظاہرا کوئی نہ علمیت
نہ کوئی دوسری ہی ملکی و قومی خصوصیت

ٹُپی کے بل پہ چرّایا ہی شوق اس پاک خدمت کا
کریں گے کونسل میں فرض ادا قومی نیابت کا

حکومت کے سہارے پر ہیں ان کی کوششیں ساری
اسی در کی خطا پوشی پہ ہی نازِ گنہگاری

خدا کے فضل سے کنولسیر ووٹر بھی ایسے ہیں
اسی کے ساتھ ہیں جس کی گرہ میں چار پیسے ہیں

انھیں اس سے کوئی مطلب نہیں، ہی آدمی کیسا
اُسی کے تابع فرمان ہیں ان کو جو دے پیسا

نیابت قوم کی کارِ اہم ہی وہ یہ کیا جانیں
وہ اپنے پیٹ کو دیکھیں کہ بات ایمان کی مانیں

انھیں پروا نہیں گو قوم کا تختہ اُلٹ جائے
بس اتنا چاہیئے تھوڑا سا ان کا وقت کٹ جائے

ٹُپی کے زور سے جو کام ان سے چاہیئے لیجے
وہ کٹھ پتلی ہیں سیدھا ان کو رکھیئے یا اُلٹ دیجے

ادھر ووٹر ہیں کچھ کنولسیروں سے بھی سوا کامل
وہ ہیں سب سے زیادہ سورۂ والشمس کے عامل

سوالِ زر وہاں ہی پُرسشِ حالات سے پہلے
ضروری ہی یہی اک بات بس ہر بات سے پہلے

انھیں اپنے فرائض کا کوئی حس ہی نہیں باقی　　نہ قوت ان میں ایمانی نہ جذبہ اُن میں اخلاقی

سرِ بازار بیچی جا رہی ہیں قوم کی رائیں　　وہی اِس جنس کا مالک ہے جس کے دام بڑھ جائیں
وہ رائیں سلطنت کا مول کم ہے جن کی قیمت سے　　وہ رائیں تخت بھی جو چھین سکتی ہیں حکومت سے
وہ رائیں جن سے ملک و قوم بنتے اور بگڑتے ہیں　　وہ رائیں جن کے بل پر سلطنت میں پیچ پڑتے ہیں
وہی رائیں ہیں جن کا اس طرح نیلام ہوتا ہے　　سڑک پر چوک میں یوں جن کا سودا عام ہوتا ہے

کوئی کہتا ہے ہم ووٹ اپنے قصبے کے اُسے دیں گے　　کہ جس سے مدرسے کے واسطے کافی رقم لیں گے
کوئی کہتا ہے موضع میں کنواں بیحد ضروری ہے　　جو تعمیر اس کی کر دے گا اُسی کی بات پوری ہے
کوئی کہتا ہے بستی کی مساجد ہیں بہت خستہ　　جو بنوا دے گا ان کو صاف ہے اُس کے لئے رستہ
کوئی کہتا ہے ووٹ اُس شخص کو دلوائے گا بندہ　　جو دے گا مقبرے کے واسطے کافی ہمیں چندہ

غرض یوں بے دھڑک جب خرچ کر کے ووٹ پائے گا　　تو ظاہر ہے کہ کیسا آدمی کونسل میں جائے گا
پھر ایسا آدمی جو کچھ کرے گا وہ بھی ظاہر ہے　　کہ جو دینے میں ماہر ہے وہ لینے میں بھی ماہر ہے
جو لے سکتا ہو مول اوروں کو کر کے سیم و زر پانی　　وہ بک سکتا ہے خود بھی غیر کے ہاتھوں بآسانی

مگر یہ تو وہ سوچے جس کے دل میں درد بھی کچھ ہو
یہاں اپنے سے مطلب حالت اپنی قوم کی کچھ ہو
یہاں تو اس سے مطلب ہے جو مسجد اپنی بنوا دے
پھر اس کے بعد گو دُنیا کی ساری مسجدیں ڈھا دے

یہ ہے اس قوم کی ناپاک ذہنیت کا افسانہ
کہ جس کے پاس تھا حریتِ آرا کا پروانہ
نمونہ ہے یہ اُن افرادِ ملت کے دماغوں کا
اُجالا تھا جہاں میں جن کی دانش کے چراغوں کا
کبھی تھا شش جہت میں غلغلہ جن کی صداقت کا
سبق دیتے تھے جو دنیا کو ایمان و دیانت کا
کبھی تھے جو علمبردار تہذیبِ اخوت کے
علانیہ جو دعوے دار تھے حق کی حمایت کے
سرِ دربار شاہوں کو بھی جو دھتکار دیتے تھے
خزانہ کیوں نہ ہو اس پر بھی ٹھوکر مار دیتے تھے
ہزار افسوس اُتر آئے ہیں یوں اب حق فروشی پر
کہ ایماں دم بخود ہے ان کی اس ناحق نیوشی پر

سُن اے بے وقعت و بے غیرت و خوار و زبوں مسلم
سن اے حق ناشناس و شر پسند و سرنگوں مسلم
یہ تو روتا جو ہے ہر وقت رونا اپنی پستی کا
عوض تیرے لئے ہے یہ تری باطل پرستی کا
تری قسمت کی کشتی ہے جو گردابِ تباہی میں
یہ ثمرہ ہے تری نیت کا درگاہِ الٰہی میں
مسلط ہیں جو تجھ پر لعنتیں ادبار و ذلت کی
سزا ہے یہ سب تجھے پامالیٔ احساسِ ملت کی
یہ تو ہو کر جو ٹکڑے ہو رہا ہے منتشر سب میں
یہ پاداشِ عمل تیرے لئے ہے درگہِ رب میں

یہ تجھ کو ہے جو شکوہ اس قدر اپنے مقدر سے
یہ بدلا ہے ترے اعمال کا اللہ کے گھر سے

یہ تجھ میں ہے جو فقدان اس قدر احساسِ ایماں کا
یہ پھل منجانب اللہ ہے ترے عصیان و طغیان کا

غلط ہیں سب یہ شکوے جس قدر ہیں تجھ کو غیروں سے
کہ خود جا کر گرا ہے تو کنوئیں میں اپنے پیروں سے

تیرے ہی سب یہ ہیں کرتوت تو اب جن کو روتا ہے
ارے ناداں کیوں مفت آبرو اپنی ڈبوتا ہے

برٹش حکومت

نہ پوچھو ہم نشینو برکتیں برٹش حکومت کی
بہت ہی سامعہ پرور ہے لذت اس حکایت کی

خدا کی خاص رحمت آج کل ہے مہرباں ہم پر
کہ انگلستان جیسا نیک دل ہے حکمراں ہم پر

ابھی تک تھا لٹیروں ہی سے گویا سابقہ اپنا
مگر اس کی شرافت نے تو بالکل کر لیا اپنا

ہمارے حال پر اس کی یہ ہمدردی و غم خواری
حقیقت میں ہے اک مخصوص فضلِ ایزدِ باری

ہماری ہر خوشی اس کے لئے پیغامِ رحمت ہے
ہماری ہر پریشانی اُسے سامانِ زحمت ہے

ہمارے نفع و نقصاں پر ہمیشہ ہے نظر اس کی
ہمارے حق میں ہر اک نیم ہے شہد و شکر اس کی

ہمارے واسطے جس شے میں ہے خطرات کا امکاں
ہمارے سامنے لائی نہیں جاتی کسی عنواں

ہماری منفعت کی بات کوئی پائی جاتی ہے ہمیں مجبور کرکے وہ عمل میں لائی جاتی ہے
بہت سی ہیں وہ باتیں جو ہمارے حق میں رحمت ہیں بظاہر دیکھنے میں گرچہ وہ زحمت ہی زحمت ہیں
اگر ہم کاربند ان پر کئے جائیں نہ سختی سے یقیناً منحرف ہو جائیں راہِ نیک بختی سے

ہمارے واسطے تعلیم کا ہے انتظام ایسا کہ ناممکن تھا بالکل عہدِ پیشیں میں نظام ایسا
ہمارے کورس کو کہتے ہیں گو سب لوگ ناموزوں مگر ہے وہ ہمارے واسطے بے انتہا موزوں
کہ موجودہ فضا کے ہند کے بالکل موافق ہے زمانے کا جو کچھ ماحول ہے اس کے مطابق ہے
لحاظ اس بات کا اس کورس میں رہتا ہے شدت سے کہ ہم ہٹنے نہ پائیں جادۂ خلق و شرافت سے
بُرے جذبے ہمارے دل میں پیدا ہو نہیں سکتے بدی کا بیج ہرگز دل میں اپنے بو نہیں سکتے
سکھائی جاتی ہے تعظیم ہم کو حکمرانوں کی بٹھائی جاتی ہے ہیبت دلوں پر پاسبانوں کی
حکومت کے خلاف اک بات بھی ہم کر نہیں سکتے زبردستی چھری اپنے گلے پر دھر نہیں سکتے
ہم اپنے محسنوں کو کوئی دھوکا دے نہیں سکتے یقیناً نام بھی ہم سرکشی کا لے نہیں سکتے
ہمارے دل میں آزادی کی لہریں آ نہیں سکتیں کہ اسپیچیں ہماری روح کو گرما نہیں سکتیں
وطن کے نام پر ہم جیل خانے جا نہیں سکتے کسی مقصد کے بھڑکانے میں ہرگز آ نہیں سکتے
حکومت سے بغاوت کا ارادہ کر نہیں سکتے کوئی کام اپنی ہمت سے زیادہ کر نہیں سکتے

ہمیں کیا غم نہیں ہے گر ملک والوں کو جو روٹی بھی
ہمیں کیا گر نہیں ہے جسم پر ان کے لنگوٹی بھی

ہمیں کیا ہے اگر اہلِ وطن پامال ہوتے ہیں
ہمیں کیا فقر و فاقہ سے اگر بے حال ہوتے ہیں

ہمیں مطلب نہیں کچھ ملک سے اور ملک والوں سے
کہ نفرت ہے ہمیں اس قسم کے گندے خیالوں سے

کسی کے درد دکھ میں ہم مدد کو بڑھ نہیں سکتے
علاوہ کورس کے کوئی سبق ہم پڑھ نہیں سکتے

ابھی تک ہم نے تو بس یہ پڑھا ہے اپنے ٹیچر سے
کہ رحمت بن کے انگریز آئے ہیں اللہ کے گھر سے

اطاعت ان کی گویا حق تعالیٰ کی اطاعت ہے
جو ان سے منحرف ہے باغیِ صدق و دیانت ہے

کتابوں میں ہماری کچھ نہیں ہوتا سوا اس کے
کہ سولہ سال مٹی کر سکیں ہم عمر ناقص کے

نہ ہوتا ہے قوائے ذہن کا نشو و نما ان سے
نہ ملتا ہے دماغی طاقتوں کو ارتقا ان سے

ہمیں ہوتی نہیں ہرگز تمیزِ نیک و بد حاصل
بس اتنا ہے کہ کر لیتے ہیں کالج سے سند حاصل

کلرکی مل گئی قسمت سے گر صاحب کے انڈر میں
گزر جاتی ہے اطمینان سے عمر اپنی دفتر میں

غمِ امروز و فردا کی کوئی پروا نہیں رہتی
ہمیں دنیا کی کوئی فکر ہی اصلا نہیں رہتی

دماغوں میں تخیل بس یہی ہے عمر بھر اپنے
مفادِ سلطنت ہر دم رہے پیشِ نظر اپنے

وفا ہو اپنا شیوہ جی حضوری ہو شعار اپنا
رہے قائم حکومت کی نگاہوں میں وقار اپنا

اُتر آئے رعایا گر کبھی شر و بغاوت پر
تو بے کھٹکے ہم اپنا سر فدا کر دیں حکومت پر

جو سچ پوچھو تو یہ تعلیم جس سے ملک برہم ہے
حکومت کی دماغی قابلیت کا اک البم ہے

اسی تعلیم کی برکت کے یہ آثار ہیں سارے
کہ حزبِ مفسدانِ ملک کے بے کار ہیں سارے

دھڑلے سے حکومت ہو رہی ہے جشنِ عشرت ہے
نظر کوئی ملائے کس کا دم ہے کس کی ہمت ہے

جو رہ جاتی کہیں تعلیم کی اسکیم میں خامی
حکومت ہو چکی ہوتی غریقِ چاہِ گمنامی

سیاست کے بکھیڑوں میں ہمیں ڈالا نہیں جاتا
مرض کوئی ہمارے واسطے پالا نہیں جاتا

ہمیں کیا ترک کس حالت میں ہیں ایران کیسا ہے
ہمیں کیا شام کیسا، مصر اور سوڈان کیسا ہے

ہمیں کیا جرمن و امریکہ و جاپان سے مطلب
ہمیں حقے سے مطلب ہم کو اپنے پان سے مطلب

برانڈی اپنے پینے کو ہے اور افیون کھانے کو
بلا سے آگ لگتی ہے تو لگ جائے زمانے کو

اگر ہم ان جھمیلوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہوتے
تو امواجِ فنا کے ساتھ کب کے بہ گئے ہوتے

امورِ مملکت میں رائے ہم سے لی نہیں جاتی
ہمارے مشورے سے بات کوئی کی نہیں جاتی

ہمیں بیگانہ رکھا جاتا ہے ملکی مسایل سے
ہمیں محروم رہنا پڑتا ہے اکثر وسایل سے

ہمارے دل جلے ہوتے ہیں خاک و پامال اکثر / ہمیں ہوتا ہے اپنی کس مپرسی کا ملال اکثر
ہمیں پابند رکھا جاتا ہے ہر بات کے اندر / مقید رہتے ہیں ہم چند ہی حالات کے اندر
ہم اپنے رازہائے دل کسی سے کہہ نہیں سکتے / کبھی ہم مشتبہ حالت میں ہرگز رہ نہیں سکتے
بغیرِ حکم کر سکتے نہیں ہم کوئی کام اپنا / رہینِ منتِ انگریز ہے ہر انتظام اپنا
کبھی ہم شور و غل کرتے بھی ہیں اپنی جہالت سے / بچا لیتے ہیں "آرڈی نینس" ہم کو ہر طوالت سے
مگر یہ ساری باتیں جو بری معلوم ہوتی ہیں / بظاہر اپنی گردن پر چھری معلوم ہوتی ہیں

نہ ہوتیں تو یقیناً ابتری ہی ابتری ہوتی
حکومت جس کو کہتے ہیں وہ کونے میں دھری ہوتی

مسلح تھے تو سب اوصاف تھے ہم میں بہائم کے / قتالِ خوں میں تھے مشاق یا عادی جرائم کے
حکومت نے دکھائی اس جگہ وہ عقل کی تیزی / نہتا کر کے ٹھنڈا کر دیا سب جوشِ خوں ریزی
وہی ہم ہیں کہ امن و عافیت ہے اب شعار اپنا / ہے تہذیب و تمدن کی حدوں میں کاروبار اپنا
سکون اور شانتی کی چار جانب ہے فراوانی / ہمیں حاصل ہیں اب ساری خصوصیاتِ انسانی
نہیں ہوتیں ہلاکت خیز اب آپس کی تکراریں / ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں بندوقیں نہ تلواریں

چلائے جاتے سختی سے نہ گر اس پالیسی پر ہم
تو ہو جاتا نظامِ سلطنت سب درہم برہم

مسلط ہیں حفاظت پر ہماری سخت رکھوالے
پڑی ہیں ہر طرف سرحد پہ فوجیں چھاؤنی ڈالے

ہمارے مال و جاں محفوظ ہیں قزاق و رہزن سے
اماں حاصل ہے ہم کو یورشِ جاپان و جرمن سے

نہ خطرہ غیر ملکی حملہ ہائے ناگہانی کا
نہ اندیشہ کوئی اغیار کی ریشہ دوانی کا

کوئی قوت اگر ٹکرانا چاہے بھی حکومت سے
حکومت زیر کر سکتی ہے اس کو پوری قوت سے

اگرچہ اس میں اڑ جاتا ہے روپیہ ملک کا سارا
بغیر اس انتظامِ خاص کے لیکن نہیں چارا

اگر تخفیف کر دی جائے اخراجاتِ لشکر میں
بپا ہو جائے گی اک سخت شورش انڈیا بھر میں

کسی جانب سے آ کر روس ہم کو آدبوچے گا
کسی جانب سے اٹلی سر پہ چڑھ کر ہم کو نوچے گا

کسی درے سے افغانوں کا دل ہم پر چڑھ آئے گا
کسی ساحل سے جاپان آ کے ہم پر بم گرائے گا

ہمارا ملک بن جائے گا اک لاوارثی لاشا
کہ جس پر چار جانب گدھ ہی گدھ منڈلائیں گے عاشا

نتیجہ بس یہ ہوگا جان کو غیروں کی رو بیٹھیں
ہم اپنی پیاری برٹش سلطنت ہاتھوں سے کھو بیٹھیں

یہ ہے برطانیہ کا عین آئینِ جہاں بانی
کہ اس مد میں رعیت کو یوں بسنا دیتی ہے وہ پانی

ہر آزادی جو ہو سکتی ہے ممکن ہم کو حاصل ہے
رعایا شاد ہے آباد ہے خرم ہے، خوش دل ہے

زباں آزاد ہے اپنی قلم آزاد ہیں اپنے
پڑا ہے صاف رستہ اور قدم آزاد ہیں اپنے

دماغ و دل میں چشم و گوش میں ارواح و اعضا میں
ہے آزادی کی وہ دولت جو ہے اس ساری دنیا میں

پریس آزاد ہے اخبار کو ہے کامل آزادی
مگر باوصف اس کے اب بھی اک طبقہ ہے فریادی

سبب یہ ہے کہ یہ سب لوگ ناخواندہ ہیں جاہل ہیں
جبھی تو سب یہ اصلاحات انھیں زہرِ ہلاہل ہے

سمجھتے ہیں بھلا اپنا وہ ہر اس بات کے اندر
حکومت جس سے ہر لحظہ ہے خطرات کے اندر

کوئی کتنی ہی بہتر رائے ہو لیکن نہ مانیں گے
حکومت جو کہے گی اس کو وہ الٹا ہی جانیں گے

حکومت کو برا کہنا ہی ان لوگوں کا ہے پیشہ
نظامِ سلطنت کو ان سے ہے ہر وقت اندیشہ

نہ کی جائے اگر بروقت فوراً روک تھام ان کی
تو ڈھیلی ہو کے سو خطروں کا باعث ہے لگام ان کی

بچاتی ہے حکومت ان کی زہریلی ہواؤں سے
کہ اس کا فرض ہے ہم کو الگ رکھنا بلاؤں سے

ہماری اس مصیبت پر ہے اس کو ہم سے ہمدردی
وہ اس مشکل میں کھل کر دے رہی ہے دادِ پامردی

کوئی مفسد جو پھیلاتا ہے شورش نوجوانوں میں
تو اس کو ٹھونس دیتی ہے پکڑ کر جیل خانوں میں

کچل دیتی ہے ہر تحریک کو کیسی ہی بہتر ہو
ذرا سی بھی زد اس کی گر مفادِ سلطنت پر ہو

یہ بات اس کو گوارا ہو نہیں سکتی حقیقت میں
کہ جذبہ خود سری کا کوئی پیدا ہو رعیت میں

جو یہ ہوگا تو پھر چھوٹے بڑے میں فرق کیا ہوگا
سوا اس کے کہ اک ہنگامۂ محشر بپا ہوگا

مچاتے ہیں جو ہلڑ کوئی کہہ دے ان کو سمجھا کر ‏ وہ آخر چاہتے کیا ہیں یہ بے جا شور مچوا کر

اگر یہ مدعا ہی ہند سے انگریز بیچارے ‏ چلے جائیں حکومت چھوڑ کر انگلینڈ کو سارے

تو یہ کہیئے کہ ہوگا حال کیا اِن غم نصیبوں کا ‏ نہیں ہے پوچھنے والا بھی کوئی جن غریبوں کا

وہ ہنگامے بپا ہوں گے یقیناً ملک کے اندر ‏ کہ کھا جائے گی چکر عقلِ افلاطون و اسکندر

قتال و خوں کی ہوگی وہ پھر سے گرم بازاری ‏ کہ منہ دیکھے گی چنگیز و ہلاکو کی بھی خونخواری

ہوا ہی سو برس ہیں ہم کو جو امن و اماں حاصل ‏ اسے کر دے گی ملیامیٹ بالکل تیغِ مستاصل

یہ جلوے یہ دل آویزی یہ ہنگامے یہ نظارے ‏ یقیں جانو کہ اس کے بعد یہ بھی ختم ہیں سارے

نہ دل ہیں اور نہ کوئی روح میں تابندگی ہوگی ‏ وہی بے شرمی و بے غیرتی کی زندگی ہوگی

اُمنڈ آئیں گے بادل پھر وہی جہل و فلاکت کے ‏ بہم ہو جائیں گے اسباب پھر اپنی ہلاکت کے

وہی درماندگی و بےکسی و ابتری ہوگی ‏ وہی بغض و نفاق و حرص کی غارتگری ہوگی

چلن اُٹھ جائے گا تہذیب و اخلاق و شرافت کا ‏ وہی آ جائے گا پھر دورِ جہل و بربریت کا

مگر اس وقت پچھتانے سے پھر کیا فایدا ہوگا
کہ ہونا ہوگا جو کچھ وہ یقیناً ہو چکا ہوگا

یومِ آزادی

خداوندا کبھی تقدیر سے وہ دِن بھی آئیں گے
کہ ہم بھی فخر سے دُنیا میں سر اپنا اُٹھائیں گے
وطن کو فقر و ناداری کے پنجے سے چھڑائیں گے
فلک پر اپنی عظمت کا پھریرا لہلہائیں گے
کبھی ہم بھی حقیقی جشنِ آزادی منائیں گے

کبھی اُترے گا پٹہ اپنی گردن سے بھی لعنت کا
کبھی ہوگا ہمارے سر بھی سہرا عزم و ہمت کا
کبھی ہم بھی سبق دنیا کو دیں گے استقامت کا
کبھی اپنا بھی ہوگا شور انصاف و دیانت کا
کبھی ہم بھی وطن میں امن کا ڈنکا بجائیں گے

اگر لینی ہی ہم کو دولتِ بیدارِ آزادی
اگر کرنا ہی کچھ ہم کو بھی کاروبارِ آزادی

اگر ہم کو بھی ہونا ہے علمبردارِ آزادی
تو کرنی چاہیئے طے منزلِ پُرخارِ آزادی
اسی رستے پہ چل کر ہم گُلِ مقصود پائیں گے

ہمارے قبضۂ قدرت میں ہو گا جب وطن اپنا
بدل جائے گا دم کے دم میں رنگِ انجمن اپنا
کرے گا یورپ و امریکہ پر چشمک چلن اپنا
ہر اک بچّہ بھی ہو گا تیغ ران وصف شکن اپنا
جہاں جائیں گے ہم تلوار کے سائے میں جائیں گے

ہمارے دشت و در ہوں گے ہمارے بحر و بر ہوں گے
حکومت کے ہمارے کچھ عجب ہی کرّ و فر ہوں گے
ہمارے قلعے توپوں اور طیّاروں کے گھر ہوں گے
ہماری سرحدوں پر سب ہوائی مستقر ہوں گے
سُرنگیں، تار پیڈو، گیس ہر شے ہم بنائیں گے

بہا دیں گے ہر اک گوشے میں نہریں علم و حکمت کی
ہر اک گھر ہند میں بن جائے گا اک کانِ دولت کی

گلی کوچے میں ہوں گی منڈیاں صنعت کی حرفت کی
ہمیں بس اصل ہوں گے ساری دنیا کی تجارت کی
ہمیں دُنیا کو جس رستے پہ چاہیں گے چلائیں گے

خداوندا ہمیں تو واقفِ ہر نیک و بد کر دے
ہمیں مقصد میں اپنے کامراں بے رد و کد کر دے
ہمارے دشمنوں کے ہم پہ جو حملے ہوں رد کر دے
ہمیں اپنے وطن میں ایک کر دے متحد کر دے
ابھی ہم زندگی کا اک نظامِ نو بنائیں گے

پنڈت جی

واقعی یوجیہ جہل شہ کے ہیں خطرات بجا
ان کو رکھتا ہی پریشان جو مسلمان کا خوف

کس طرح ہوں وہ بھلا حامیٔ آزادیِ ہند
سرحدِ ہند پہ ہر وقت ہی افغان کا خوف

کبھی بغداد کی دہشت ہی کبھی مصر کا ڈر
کبھی ترکی کا ہی خطرہ کبھی ایران کا خوف

دھرم کو ان کے ہی اسلام کے حملوں کا خطر
وید کو ان کے ہمہ وقت ہی قرآن کا خوف

ہند میں چوں کہ ضروری ہے قیامِ انگریز
اس لئے قابلِ عظمت ہے شریمان کا خوف

ناخدایانِ ملّت

ملک میں اک سربرآوردہ گروہ ایسا بھی ہے
جس کو دعویٰ ہے کہ ہے وہ محسنِ قوم و وطن

جو بزعمِ خویش ہے ہندوستاں کا جاں نثار
جس کو مستقبل کی دُھن ہے جس کو ترقی کی لگن

ملک کی آشفتہ حالی پر جو حد درجہ ملول
ہند کے افلاس کی جس کے کلیجے میں جلن

جس کا نصب العین باہم آشتی و ربط و ضبط
اتحاد و صلح و الفت جس کا تبلیغی مشن

فاقہ کش مزدور کے غم میں بھی جو آتش بجاں
جو مزارع کی تبہ حالی سے بھی لرزہ بہ تن

اہلِ فن کی کس مپرسی پر بھی جو ماتم کناں
صنعت و حرفت کی پامالی پہ بھی جو نالہ زن

ملک کی تحریکِ آزادی میں بھی جو پیش پیش
غیر ملکی راج سے بھی جس کو اکثر سوئے ظن

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معمّا ہے عجیب
اہلِ سرمایہ ہیں اس کے غمگسارانِ کہن

ہے زبانِ آمریت اس کی ساری دوڑ دھوپ
دستِ دولت میں ہے اس کے پانو کی نازک رسن

جس جگہ خطرے میں ہے سرمایہ دارانہ نظام
ہے وہیں ماتھے پہ اس کے کبر و نخوت کی شکن

زد براہ راست پڑتی ہی زمینداری پہ جب
نشہ ہو جاتا ہی اس کے درد قومی کا ہرن

لڑکھڑاتے دیکھتا ہی جب حکومت کا قدم
تھام لیتا ہی وہ اُٹھ کر اس کا بازو دفعۃً

آرمی بل کی ضرورت ہی اگر انگریز کو
ہی وہ اک گورے سپاہی کی طرح لشکر شکن

جس طرف برٹش تجارت کو ہی استحکامِ خاص
ہی اسی سمت اس کے استدلال کا روئے سخن

سرپھٹول میں ہی وابستہ اگر قومی مفاد
وہ دکھا سکتا ہی اس میں بھی بہت کچھ نور دفن

شرح سکہ ہو کہ سرحد فوج ہو یا ہو پولیس
وہ بہر صورت ہی استبداد کا یارِ کہن

باوجود اس کے بھی لیکن ہی وہ فخرِ ملک و قوم
عزم آزادی ہی اس کا تا بہ جیحون از جمن

ناخدا جس کشتیٔ ملت کے ہوں ایسے بزرگ
کیوں ہی اس کشتی پہ طوفانِ حوادث خندہ زن

نادر شاہ

جناب جان بل جب ہسٹری ہم کو پڑھاتے ہیں
تو نادر شاہ پر ہوتا ہی نکھر ان کا اخلاقی

یقیناً سارے درجے کو رُلا دیتے ہیں خود رو کر
بیاں کرتے ہیں جب اس کی بیدردی و قزاقی

بلا شک تھا وجودِ نحس اس کا قابلِ نفرت
یہ اک دھبا ہے گا دامنِ تاریخ پر باقی

نہ خو تہذیب کی تھی اور نہ بو اس میں تمدن کی
وہ تھا اک بحرِ تاراج و خونریزی و نا چاقی

کئی سو اونٹ بھر کر لے گیا یوں مال و دولت کے
خزانے میں نہ چھوڑا ایک حبہ سیم و زر باقی

دلِ تاریک اس کا واقعی تھا اک سیہ خانہ
نہ تھی ذرہ برابر جس میں تابانی و برّاقی

مگر جب قبلۂ عالم کی جانب غور کرتا ہوں
تو پچھلی وحشتیں کچھ ذہن میں رہتی نہیں باقی

وہاں نادر نے تو اک بار مونڈا تھا فقط ہم کو
یہاں ہی ثبت نیا اپنے لئے سامانِ حلاقی

وہاں دو سو برس میں جس قدر دینا پڑا ہم کو
یہاں ہر سال سہ چند اس سے ہم کرتے ہیں بیباقی

مگر اس کا زمانہ جہل و وحشت کا زمانہ تھا
کہ جاری ہوگئی خود ہی اس پر حدِ اخلاقی

وگرنہ پردۂ تہذیب میں ڈاکہ زنی کر کے
کبھی آتا نہیں انسان پر الزامِ قزاقی

وہ اس عہدِ تمدن میں نمونہ ہیں شرافت کا
جنھیں حاصل ہی جنگ و قتل و خونریزی میں مشاقی

بہت ہی برمحل یاد آ گئے اس خاص موقع پر
جناب حالیؔ مرحوم کے دو شعر الحاقی

"نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گل چینی ہی یا نَس ہی گلچیں یا ہی قزاقی

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی و اخلاقی"

سر سیموئل ہور

سنی غور سے ہم نے تقریر ہور — زہے نطقِ جادو بیاں، ونس ہورا
حق اپنا کوئی مانگتا ہو اگر — تو ناحق ہے اس پہ یہ غوغا و شور
غلامی کی لعنت سے آخر نجات — جسے بھی ملی ہے، ملی ہے بہ زور
نہیں مانگتے بھیک ہم آپ سے — کہ غیرت ہماری نہیں مفت خور
مگر آپ ابھی ہیں اسی دھیان میں
کہ بستے ہیں ہندوستاں بھر میں ڈھور

ہندو کا خوف

مسلمانوں کے لیڈر کی یہ عام اسپیچ ہے سب میں — کہ ہندو سے بچو وہ ہے تمہارا دشمنِ جانی
اسے تم سے عداوت ہے تمہارے دین سے کد ہے — تعصب اور تنگ ظرفی ہیں اس کے جزوِ ایمانی
وہ ہے چھایا ہوا ہندوستاں پر تم ہو قلت میں — جو وہ چاہے تو رکھ لے پیٹ میں تم کو بآسانی
وہ شہ زور و توانا تم ضعیف و خستہ و بیکس — پیا ہے شیر اور بکری نے بھی مل کر کبھی پانی

تمہارا اتحاد اس سے کسی صورت نہیں ممکن — یہی حکمِ خداوندی یہی ارشادِ قرآنی

اجازت ہو تو مجھ کو صرف اتنا عرض کرنا ہی — ادب کے ساتھ پیشِ ناشرِ احکامِ ربانی
یہ دہشت خیز لکچر جب دیا جاتا ہی مسلم کو — بھلا دی جاتی ہی کیوں اپنی وہ ساری رجز خوانی
مسلماں کا تو اِک اِک فرد بھاری ہی ہزاروں پہ — نہیں لاکھوں میں ممکن اس کے ماتھے پر شکن آنی
یہ کب ڈرتا ہی زورِ کفر و طوفانِ حوادث سے — یہ کر سکتا ہی تنہا اپنے بیڑے کی نگہبانی
اسے کثرت کا خطرہ ہی نہ قوت کا کوئی غم ہی — ہوا کا رُخ پلٹ سکتا ہی دم بھر میں یہ طوفانی
اسے کیا کھا کے کوئی ہضم کر سکتا ہی دنیا میں — مگر ہاں آپ فرمائیں جب اس گلّے کی چوپانی

کبھی انگریز کی نسبت بھی حضرت نے کہا ہی کچھ — کہ جس سے عالمِ ایماں ہی وقفِ صد پریشانی
کچل ڈالی ہیں ساری قوتیں اسلام کی جس نے — کروڑوں مومنوں کی جس نے کی ہی خانہ ویرانی
مسلمانوں سے جس نے قبلۂ اوّل کو چھینا ہی — مٹا ڈالی ہی جس نے شانِ فاروقی و عثمانی
کیا ہی جس نے زیرِ تیغ ترکانِ مجاہد کو — یتیموں اور بیواؤں کی جس نے لی ہی قربانی
بہی ہیں جس کی سنگینوں سے خوں کی ندیاں ہر سو — جو اسلامی ممالک میں ہی قتلِ عام کا بانی
یمن ہو یا عراق و نجد ہو سب جس سے نالاں ہیں — نہ افغانی ہی جس سے مطمئن ہیں اور نہ ایرانی

ہے جس کے پانو کے نیچے سیادت مصرِ عظمیٰ کی | ہیں جس کی قید میں سب زنجباری ہوں کہ سوڈانی
ہے جس کے پنجۂ فولاد میں گردن فلسطیں کی | ہے جس کے خنجرِ خونخوار سے خونِ عرب پانی

یہاں ہندو سے خطرہ ہے فقط ہندی مسلماں کو | مگر اس سے تو ہے دنیا کے ہر مسلم کو حیرانی
خلاف اس کے مگر ارشادِ عالی کچھ نہیں ہوتا | یہاں کیوں ختم ہو جاتا ہے سارا زورِ لسانی

نکل جائے جو آج انگریز کے قبضے سے ہندستاں | یہ بل بوتے پہ جس کے ہو رہا ہے رستمِ ثانی
یقیناً دست و بازو آج ہی ہو جائیں شل اس کے | دھری رہ جائے ساری نخوتِ مشقِ ستم رانی
مسلمانانِ عالم چھوٹ جائیں رنج و کلفت سے | زمانے بھر کو ہو جائے میسر امنِ روحانی
مگر یہ بات بھولے سے بھی فرمائی نہیں جاتی | ذرا فرمائیے تو کیا ہے اس میں سرِ پنہانی

میں جب اس چیستاں کے حل پہ غور و فکر کرتا ہوں
تو کچھ مرتا نظر آتا ہے حضرت کی طرف پانی

یادِ ایّام

یادِ ایام کہ شاداب تھا بُستانِ وطن
رو کشِ خلد تھا ہر سروِ خرامانِ وطن
تھی عجب شانِ گل و سنبل و ریحانِ وطن
سبزہ و خار بھی تھے زینتِ عنوانِ وطن

یاد ایام کہ تھے اہلِ وطن خرّم و شاد
نہ لڑائی تھی نہ جھگڑے تھے نہ شر تھا نہ فساد
ہر قدم پر تھا یہاں پانوٗ تلے گنجِ مراد
اور ہی کچھ تھی حقیقت میں غرض شانِ وطن

یادِ ایام کہ سب کافر و دیں دار تھے ایک
مسجد و بت کدہ و سبحہ و زنّار تھے ایک
ہند میں برہمن و شیخ کے کردار تھے ایک
منسلک ایک ہی رشتے میں تھے یارانِ وطن

یاد ایام کہ دولت کی فراوانی تھی
لذتِ عیش و مسرت کی فراوانی تھی
امن کی چین کی راحت کی فراوانی تھی
چپّے چپّے میں تھا اک گنجِ فراوانِ وطن

یاد ایام کہ تھی صنعت و حرفت اپنی
قابلِ رشک تھی دُنیا میں تجارت اپنی
وطن اپنا تھا وطن میں تھی حکومت اپنی
شرم ہاں بہرِ خدا شرم جوانانِ وطن

"زندگی کا حل"

زمانہ ہے قندیل و فانوس و شمع — مگر ہم بجز دودِ مشعل نہیں
زمانہ ہے یلغار و طوفان و جوش — مگر ہم بجز بازوے شل نہیں
زمانہ ہے تفسیر و شرح و بیاں — مگر ہم بجز لفظِ مہمل نہیں
زمانہ ہے ادراک و تمیز و ہوش — مگر ہم بجز ذہنِ مختل نہیں

زمانہ ہے برق و شرار و تموز
مگر ہم بجز خاک منقل نہیں

زمانہ ہے قند و نبات و عسل
مگر ہم بجز برودخنقل نہیں

اگر انقلابِ مکمل نہیں
تو اب زندگی کا کوئی حل نہیں

توکّل

آج اس معراج پر ہوتا نہ امریکہ کبھی
آج یہ نقشہ نظر آتا نہ ٹرکی کا کبھی

جرمنی کو کس طرح ملتے ترقی کے یہ چانس
آسماں پر آج کیونکر اڑ رہا ہوتا فرانس

کس طرح ہوتی یہ عظمت دہر میں جاپان کی
بیٹھتی دنیا میں کیونکر دھاک انگلستان کی

آج اٹلی کس طرح ہوتا جہاں میں روشناس
روس کی ہیبت سے کیوں ہوتا زمانہ بدحواس

شیخ دے سکتا جو دنیا کو توکّل کا سبق
کس طرح کھلتے کتابِ دہر کے روشن ورق

پڑوسی

اے عیشِ محل کے رہنے والو
دیکھو تو کبھی نظر اُٹھا کر

حال اپنے پڑوسیوں کا بھی کچھ
ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں کے اندر

انسان کی شکل میں بہایم
اولادِ بشر گدھوں سے بدتر

ناچار و تباہ و زار و بیمار
رسوا و ذلیل و خوار و ابتر

فاقوں کی ہے جن کے رُخ پہ زردی
فکروں سے جو ہو رہے ہیں لاغر

کپڑا نہیں جن کے تن پہ ثابت
چادر ہے نہ جن کے پاس بستر

سوکھی ہوئی روٹیاں بھی جن کو
ملتی نہیں دو دو وقت اکثر

دیکھی نہیں امن و عافیت کی
صورت بھی جنھوں نے زندگی بھر

قسمت میں نہیں ہے جن کی آرام
کولھو کا جو بیل ہیں سراسر

لیکن تمھیں غالباً یہ اک بات
معلوم نہیں ہے بندہ پرور

صدقہ ہے انھیں کی جوتیوں کا
ساری یہ تمھاری شوکت و فر

گر پھیر لیں یہ نظر کچھ اپنی
تم کو نہ رہے خبر کچھ اپنی

قومی رہنما

ایک صاحب جنھیں مذہب سے نہیں کوئی لگاؤ / جن کے بازار میں ہے کفر بھی ایمان کے بھاؤ

تابعِ ملت ٹائمز ہیں جن کے دن رات / قابلِ ذکر نہیں جن کا نظام الاوقات

ایک اسٹیج پہ ہیں دہریت اس میں ہو کہ دین / ریش کی طرح نظر آتی ہے ہر چیز کلین

نہ جنھیں صوم سے کچھ کام نہ پروائے صلوٰت / نہ جہاں شرع نہ آئین جہاں حج نہ زکات

نہ برج سے جنھیں فرصت نہ کلب سے فرصت / نہ جنھیں شغلۂ بنت عنب سے فرصت

کیف مستی ہیں جنھیں پی کے بہکنا بھی روا / بال میں ہمرہِ مس جن کو تھرکنا بھی روا

کبھی قبلے کی طرف رُخ نہیں دیکھا جن کا / کفر کا قبلۂ حاجات ہے کعبہ جن کا

نہ جنھیں قوم سے مطلب نہ وطن سے مطلب / جن کو ہوٹل میں فقط کیک و مٹن سے مطلب

بزمِ الحاد میں جن کی نہ خدا ہے نہ رسول / عرشِ انگلینڈ سے الہام کا ہے جن پہ نزول

آتے ہیں قوم کے اسٹیج پہ کس شان کے ساتھ / کس عجب جوش عجب جذبۂ ایمان کے ساتھ

درس اسلام کا دیتے ہیں مسلمانوں میں / سیدھے میخانوں سے آتے ہیں خداخانوں میں

دیتے ہیں سیرتِ فاروق کا لوگوں کو سبق / کھولنے بیٹھتے ہیں دین کے اسرارِ ادق

کاش پوچھے کوئی حضرت سے کہ اے بندہ نواز / عمل و قول کے اس بُعد میں ہے کون سا راز

کیا نتیجہ ہی اگر قلب و زباں ایک نہیں
غالباً فال یہ مسلم کے لئے نیک نہیں

جنگِ آزادی اور اتّحاد

جنگِ آزادی میں قطعی کامیابی کے لئے
ہی ضروری ہندو و مسلم کا باہم اتّحاد

چل نہیں سکتی یہ گاڑی دونوں پہیوں کے بغیر
ایک کا ہی دوسرے کے ساتھ وابستہ مفاد

چھوڑ کر مسلم کو ہندو چاہتا ہی گر سوراج
ہی یقیں جانو یہ اس کے ذہنِ مختل کا فساد

ہو نہیں سکتی کبھی پوری یہ اس کی آرزو
اس حقیقت میں نہیں شمّہ بھی محسن اعتقاد

اور اگر مسلم کو ہی تنہا امیدِ فتح و فوز
اس جہالت پر بھی ہی دُنیا کے ہر عاقل کا صاد

ایک ناکارہ، اپاہج، بے عمل، بے علم قوم
کر ہی سکتی کچھ تو کیوں یوں آج رہتی نامراد

متحد جب تک یہ دونوں ملک میں ہوتے نہیں
سر پھٹول ہی تلک ہی جذبۂ جوشِ جہاد

مُسلمان کا مسلک

جو یہ کہتا ہی آزادی سے نفرت ہی مسلماں کو
جو یہ کہتا ہی محکومی سے رغبت ہی مسلماں کو
جو یہ کہتا ہی انگریزوں سے اُلفت ہی مسلماں کو
جو یہ کہتا ہی برٹش سے عقیدت ہی مسلماں کو

وہ بے ایمان ہی غدار ہی جھوٹا ہی لاغی ہی
سراپائے فریب و خود سری و بد دماغی ہی

جو کہتا ہی مسلماں ہندوؤں کا دشمنِ جاں ہی
جو کہتا ہی مسلماں ان کے سائے سے گریزاں ہی
جو کہتا ہی کہ وہ ہمسائگی سے ان کی نالاں ہی
جو کہتا ہی کہ وہ ان سے الگ رہنے کا خواہاں ہی

یقیناً حق نہیں ہی اس کو قومی ترجمانی کا
وہ اِک ایجنٹ ہی اغیار کی ریشہ دوانی کا

مسلماں کو خلافِ مسلکِ جمہوریت کہنا
مسلماں کے جدالِ حریت کو شیطنت کہنا
مسلماں کو غلام و بندۂ محکومیت کہنا
مسلماں کے حسابِ حق بجانب کو غلط کہنا
اسی کا کام ہے جو بندۂ نمرود و ہاماں ہے
یزیدی عہد کا جاں باز اور پکا مسلماں ہے

مسلماں ہے ازل سے شمع حریت کا پروانہ
اسی عنوان سے ہوتا ہے آغاز اس کا افسانہ
صراحی اس کی آزاد اور آزاد اس کا پیمانہ
غلام اس کو جو رکھنا چاہتا ہے وہ ہے دیوانہ
مسلماں کو غلط رستا چلایا جا نہیں سکتا
اسے بھٹکا کے گمراہی پہ لایا جا نہیں سکتا

مسلماں چاہتا ہے اس کا ملک آزاد ہو جائے
یہ ویراں خانۂ امید پھر آباد ہو جائے

وطن سے ختم دورِ فتنہ و افساد ہو جائے
وہ ہر قوت خلاف اس کے جو ہو برباد ہو جائے
مسلمان اور ہندو ایک ہیں اس نیک مقصد میں
نظر آتے ہیں اس منزل پہ دونوں ایک ہی حد میں

ریڈیو

ہے نبات و قند جو شے اک جہاں کے واسطے
زہر سے بدتر ہے وہ ہندستاں کے واسطے
ساری دنیا کو جو بیداری کا دیتا ہے پیام
کر رہا ہے خواب شیریں کا ہمارے اہتمام
مستعد ہے جو زمانے کو جگانے کے لئے
مضطرب ہے ہم کو تھپکی سے سلانے کے لئے
نطق جس کا ایک رحمت ہے پئے اہلِ جہاں
گنگ ہے گویا ہمارے واسطے اس کی زباں
جو کیا کرتا ہے دنیا کے دماغوں پر جلا
ہے ہمارے ذہن کو اک اختلالی سلسلا
اک زمانے کو ذخیرہ ہے جو معلومات کا
ہے ہمارے واسطے البم وہ ہذیانات کا

ذکرِ مجنوں ہے کبھی افسانۂ لیلیٰ کبھی
نغمۂ شادی کبھی ہے شور واویلا کبھی

حُسن کے پُرکیف و سحر آگیں فسانے ہیں کبھی
عشق کے پُرسوز و پُرحسرت ترانے ہیں کبھی

بے کسیٔ شوق و ارماں کی حکایت ہے کبھی
ہجر کے رنج و مصایب کی شکایت ہے کبھی

بھیرویں، کھماچ، ٹھمری، دادرا، طبلہ، ستار
ہیں یہی اپنے لئے پیغام ہائے روزگار

اک طرف اسٹیلن و ہٹلر کے پمفلٹ ہیں
ایک جانب اختری بیگم کے ارشادات ہیں

ایک جانب تبصرہ امریکہ و جاپان پر
اک طرف تنقید ہتوا اور گوہر جان پر

اک طرف ہیں حکمت و سائنس کے زریں نکات
اک طرف سرگم کی مشقِ فاعلاتن فاعلات

اک طرف ہے ہمت و پامردی و جرات کا درس
اک طرف ہے کاہلی و سستی و غفلت کا درس

ایک جانب انقلابی ساز کا ہے زیر و بم
اک طرف ہیں صرف تفریحی ڈرامے اور ہم

ایک چیز اور اس سے اِک حالت میں دو برعکس کام
عقلِ افرنگی کی شایستہ ذہانت کو سلام

آہ اے ہندوستاں اے تیرہ بخت و بدنصیب
اب تباہی ہوتی جاتی ہے بہت تجھ سے قریب

بس انھیں نغموں میں تو اک دن یونہی کھو جائے گا
رفتہ رفتہ نیند آ جائے گی اور سو جائے گا

احساسِ زیاں

اگر ہم ہندیوں میں کچھ بھی غیرت کا نشاں ہوتا — تو اس قعرِ مذلت میں نہ یوں ہندوستاں ہوتا
نہ ہوتی آج ہرگز اس طرح اپنی زبوں حالی — وطن اپنا اگر دردِ وطن کا رازداں ہوتا
جھکا دیتے خوشی سے ہم نہ سر باطل کے قدموں پہ — تو کیوں گردن میں استبداد کا طوقِ گراں ہوتا
گدائی پر قناعت کر نہ لیتے گر خموشی سے — ہمارے سر پہ تاجِ عظمتِ صاحب قراں ہوتا
اگر ہم ٹھان لیتے غاصبوں سے جنگ کرنے کی — مشن اپنا یقیناً کامیاب و کامراں ہوتا
بنا رکھا ہے دو رخ باہمی بغض و تعصب نے — وگرنہ آج اپنا ملک بھی جنت نشاں ہوتا
اگر آپس میں رہتے صلح سے ہندوستاں والے — تو کیوں اغیار کے قبضے میں اپنا مال و جاں ہوتا
اگر پودا اس زمیں میں ہم لگا سکتے محبت کی — یہ ویرانہ یقیناً آج رشکِ گلستاں ہوتا
اگر ہوتا دلوں میں جذبۂ صلح و رواداری — ہمارا امن و اطمینان یوں کیوں رائیگاں ہوتا
نہ ہوتا اس طرح گم کردہ منزل کارواں اپنا — ہمارا عزم راسخ گر امیرِ کارواں ہوتا

وطن کی آج یہ ناگفتہ بہ حالت نہ یوں ہوتی
اگر اہلِ وطن کے دل میں احساسِ زیاں ہوتا

سرفروشانِ وطن

پرستارانِ حق ذلت اُٹھانے سے نہیں ڈرتے
رضا جویانِ ملت بیت کھانے سے نہیں ڈرتے

فدایانِ وطن چکی چلانے سے نہیں ڈرتے
وطن کے نام لیوا قید خانے سے نہیں ڈرتے

جسے ظاہر پرستانِ زمانہ جیل کہتے ہیں
اسے یہ سرفروشانِ محبت کھیل کہتے ہیں

انھیں مطلق جہاں کے مدح و تحسین کی نہیں پروا
انھیں ہرگز کسی کے قدح و نفرین کی نہیں پروا

انھیں شامِ الم کی زلفِ پُرچیں کی نہیں پروا
انھیں صبحِ حسین کے روئے رنگیں کی نہیں پروا

جو پروا ہے تو ان کو ملک اور ملت کی پروا ہے
نہ کچھ عزت کی پروا ہے نہ کچھ ذلت کی پروا ہے

بس ان کا کام خوابیدہ دماغوں کو جگانا ہے
جو برگشتہ منازل ہیں انھیں رستے پہ لانا ہے

انھیں اپنے وطن میں علم کا دریا بہانا ہے
انھیں ہندوستاں کو غیرتِ یورپ بنانا ہے

یہی اک دھن یہی اک فکر ہے شام و سحر ان کو
انھیں افکار میں دیکھے گی دنیا عمر بھر ان کو

خداوندا انھیں تو کامیابِ مدعا کر دے
انھیں قیدِ بلا و رنجِ محنت سے رہا کر دے

غریبوں اور مظلوموں کی آہوں کو رسا کر دے　　جو ان کی راہ میں حایل ہیں ان کا خاتما کر دے

دعائے خستہ حالانِ وطن میں کر اثر پیدا

بس اب کر دے شبِ تارِ مصایب کی سحر پیدا

مسلمان

مسلماں کے لئے تبلیغِ حق ہر شے سے افضل ہے
مسلماں کے لئے قومی حمایت فرضِ اوّل ہے
مسلماں کے لئے اندیشۂ خطرات مہمل ہے
جو اس کو مصلحت بینی سکھاتا ہے وہ پاگل ہے

مسلماں موت کی پرہول صورت سے نہیں ڈرتا
مسلماں گولیوں کی زد پہ آ کر اُف نہیں کرتا

مصیبت کا اسے ڈر ہے نہ کچھ آزار کا ڈر ہے
اسے خنجر کی دہشت ہے نہ کچھ تلوار کا ڈر ہے

نہ اس کو تیر کا خطرہ نہ کچھ سوفار کا ڈر ہے
نہ اس کو قید کا غم ہے نہ اس کو دار کا ڈر ہے
کوئی خوف اس کو دُنیا کا ڈرا سکتا نہیں ہرگز
وہ اپنا پانو رستے سے ہٹا سکتا نہیں ہرگز

مسلماں وہ مسلماں مدح ہے قرآن میں جس کی
احادیثِ رسولِ مجتبیٰ ہیں شان میں جس کی
ضیا پھیلی ہوئی ہے عالمِ ایمان میں جس کی
خصوصیات ناممکن سی ہیں انسان میں جس کی
بہت ہی پاک و پُر نور و مقدس ہے ضمیر اس کا
محبت کے فرشتے نے بنایا ہے خمیر اس کا

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ عیاری نہیں کرتا
کبھی وُہ دُشمنوں سے مِل کے غداری نہیں کرتا
کبھی ہمسائے سے ترکِ رواداری نہیں کرتا
خلوص و صدق کے بدلے ریاکاری نہیں کرتا

وہ ناواقف ہے اس سے مکر کیا شے ہے دغا کیا ہے
اسے مطلق نہیں معلوم تذویر و ریا کیا ہے

وہ جس کا معتمد بنتا ہے پھر دھوکا نہیں کرتا
عداوت جب وہ کرتا ہے تو در پردا نہیں کرتا
کسی کو بے سبب بدنام اور رُسوا نہیں کرتا
نہ ہو جس کام میں للہیت اصلا نہیں کرتا

مسلماں بس خدا کے واسطے ہر کام کرتا ہے
یہیں آغاز کرتا ہے یہیں انجام کرتا ہے

مسلماں نامِ حق دُنیا میں اونچا کر کے چھوڑے گا
غرور و معصیت کا زور ٹھنڈا کر کے چھوڑے گا
ہر آئینِ غلط کو خوار و رُسوا کر کے چھوڑے گا
وہ جس ضد پر اڑے گا اس کو پورا کر کے چھوڑے گا

ارادہ بے پناہ اس کا ہے استقلال اٹل اس کا
تعجب سے تکا کرتے ہیں منہ کوہ و جبل اس کا

قومی جھنڈا

یہ وُہ جھنڈا ہی جو محکوم کو حاکم بنائے گا
یہ وُہ جھنڈا ہی جو ظالم کے پنجے سے چھڑائے گا
یہ وُہ جھنڈا ہی جو تاجِ شہی ہم کو پنہائے گا
یہ وُہ جھنڈا ہی جو آزادی کامل دلائے گا
ہمارے دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا ہی یہ جھنڈا

یہ جھنڈا ہم کو آپس میں رواداری سکھاتا ہی
یہ جھنڈا ہم کو گُر ایثار و خدمت کے بتاتا ہی
یہ جھنڈا ہم کو آگے بڑھنے کی ہمت دِلاتا ہی
یہ جھنڈا ہم کو عزم و استقامت پر چلاتا ہی
کچھ اپنی جان سے بڑھ کر ہمیں پیارا ہی یہ جھنڈا

جوانانِ وطن جانے نہ پائے آن جھنڈے کی
تمھاری سرفروشی ہو ہمیشہ جان جھنڈے کی
رہے قایم یونہی دُنیا کے اندر شان جھنڈے کی
تمھاری حریت کیشی رہے پہچان جھنڈے کی
وطن کی عزت و حُرمت کا گھوارہ ہی یہ جھنڈا

خطابات

پیغامِ عمل

کہاں تک دوستو پامال ہوگے رنج و ذلت میں
بس اب ہشیار ہو عقل و خرد کو کام میں لاؤ
تمھارے اس نزاعِ باہمی نے تم کو کھویا ہے
بس اب تفریق کو چولھے میں ڈالو ایک ہو جاؤ
کہاں تک یہ قتال و جنگ و خوں ریزی کی مشق آخر
کبھی تو اپنے اس کردارِ نازیبا پہ شرماؤ
کہاں تک سر پھٹول یہ محرّم اور دسہرے میں
کبھی تو ان بُرے اعمال پر کچھ دل میں پچھتاؤ

کہاں تک سُبحہ و زنار کی آویزشیں یارو
خُدا کے واسطے اب اس جہالت پر نہ اِتراؤ
یہ قوت جو بہم ٹکرا کے تُم برباد کرتے ہو
اسے اِک تیسری قوت کے آگے کام میں لاؤ
یقیناً دم میں کردو مُلک کو اغیار سے خالی
اگر تُم ایک ہو کر آج میداں میں اُتر آؤ
تمھارا مُلک ہی محروم آزادی کی نعمت سے
اُٹھو اور اس کے سر پر رحمتوں کے پھول برساؤ
یہاں دریا بہا دو علم کے حکمت کے صنعت کے
اسے بامِ عمل کی آخری منزل پہ پہنچاؤ
بغیر آزادیِ کامل کے عزت مِل نہیں سکتی
یہ اِک نکتہ ہے جس پر کاش تم بھی غور فرماؤ
بس اب حد ہو گئی بے غیرتی و بے حیائی کی
اگر تُم کو بھی ہو احساس کا تو اب سنبھل جاؤ

"اُٹھو نوجوانو"

اُٹھو ہاں اُٹھو ہاں اُٹھو نوجوانو
سحر ہوگئی، سر پہ چادر نہ تانو
ضرورت جو کہتی ہے ٹھیک اس کو جانو
اُٹھو اور اب وقت کا حکم مانو
اُٹھو نوجوانو ، اُٹھو نوجوانو

کڑی راہ ہے اور دُشوار منزل
ہزاروں ہی خطرے ہیں رستے میں حایل
جو سوتے رہے تم اسی طرح غافل
تو ہے کامیابی بہت سخت مُشکل
اُٹھو نوجوانو ، اُٹھو نوجوانو

تمہارے جو ساتھی تھے وہ چل پڑے سب
کئے طے ہر اک نے مراحل کڑے سب

ہیں منزل کے نزدیک چھوٹے بڑے سب
مگر تم اسی طرح سے ہو، پڑے سب
اُٹھو نوجوانو ، اُٹھو نوجوانو

جئے کیا اگر تم جئے خوار ہو کر
رہے کیا جو سب پر رہے بار ہو کر
نہ بیٹھو اب اس طرح بے کار ہو کر
نکل آؤ میدان میں تیار ہو کر
اُٹھو نوجوانو ، اُٹھو نوجوانو

عبث ہی غمِ رنج و آلام کرنا
ضروری ہی اب فکرِ انجام کرنا
ابھی وقت ہی، ہو اگر کام کرنا
چلو، چل کے منزل پہ آرام کرنا
اُٹھو نوجوانو ، اُٹھو نوجوانو

"خدا پر نظر"

ہر طرف ہو اگر دُشمنوں کا اثر
چار جانب سے ہو گر بلاؤں کا ڈر
ہر جگہ ہو اگر کلفتوں کا گزر
دِل میں ہرگز نہ لاؤ کوئی تم خطر
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

شدّتِ دردِ غم سے بُرا حال ہو
رنج افلاس و نکبت سے پامال ہو
کوئی خلجان ہو کوئی جنجال ہو
آندھیاں ہیں، تزلزل ہو، بھونچال ہو
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

رہ کے باطل کی فکرِ ہلاکت میں تُم
مستقل رہ کے حق کی حمایت میں تُم

رہو کے ثابت قدم ہر مصیبت میں تُم
نام کر دو خلوص و صداقت میں تُم
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

کوئی طاقت تمہارا بنائے گی کیا
کوئی تکلیف تم کو ڈرائے گی کیا
کوئی ہیبت تمھیں ڈگمگائے گی کیا
کوئی قوت تمھیں آزمائے گی کیا
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

مل کے سب دِل سے خدمت وطن کی کرو
خوب ہی دیکھ بھال اس چمن کی کرو
فِکر تن کی کرو اور نہ من کی کرو
کوئی پروا نہ رنج و محن کی کرو
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

"اے وطن"

جب ہو دُنیائے دُوں مُبتلائے فتن
قتل و غارت کا طوفاں ہو جب موج زن
جب ہو بدلا ہوا دوستوں کا چلن
ہو مرے دل میں تُو اور تیری لگن
اے وطن! اے وطن! اے وطن! اے وطن

جب ہوں مفقود یاروں میں غم خواریاں
بر سرِ کار جب ہوں جفا کاریاں
عام ہوں جب زمانے میں غدّاریاں
میرے ابرو پہ ہرگز نہ آئے شکن
اے وطن! اے وطن! اے وطن! اے وطن

جب اُتر آئیں سازش پہ کیا دیاں
جب بجا دیں بگل اپنے بربادیاں

سلب کی جائیں جب تیری آزادیاں
مَیں بڑھوں شوق سے سوئے دار و رسن
اے وطن! اے وطن! اے وطن! اے وطن

چھوڑ دے جب صداقت رہِ مستقیم
جب سزائے دیانت ہو نارِ جحیم
جب ہو تیری حفاظت گناہِ عظیم
ہوں گوارا مجھے سارے رنج و محن
اے وطن! اے وطن! اے وطن! اے وطن

عام ہوں جب زمانے میں حق پوشیاں
ہوش پر جب مسلط ہوں مدہوشیاں
سچ پہ غالب ہوں جب مصلحت کوشیاں
میرے قدموں کو لغزش نہ ہو مطلقاً
اے وطن! اے وطن! اے وطن! اے وطن

صدق و جرأت کا دشمن زمانہ ہو جب
حریت کی سزا جیل خانہ ہو جب

تختۂ موت حق کا ٹھکانہ ہو جب
مَیں بڑھوں شوق سے سوئے دار و رسن
اے وطن! اے وطن! اے وطن

شاعرِ ہندستان سے خطاب

اے فصاحت کے دھنی اے شاعرِ ہندستاں — اے زمینِ شعر و انشا پر ادب کے آسماں
ہے تخلص تیرا ان اوصاف کا سرمایہ دار — جن کے کندھوں پر ہے حسن و عشق کی خدمت کا بار
مُلک میں قایم ہے فن کی شان تیری ذات سے — عام ہے جذبات میں ہیجان تیری ذات سے
عام حسن و عاشقی کی داستاں ہے مُلک میں — ہو دہن کوئی مگر تیری زباں ہے مُلک میں
نوجوانوں کو دیا ہے تو نے اوباشی کا درس — منعمانِ قوم کو رندی و عیاشی کا درس
نفرت و حرص و تملق، فطرت و کذب و دروغ — تیرے دم سے پا رہے ہیں سب زمانے میں فروغ
حق کشی و حق فروشی کا سبق دیتا ہے تُو — اپنے چیلوں سے بس اک اُجرت یہی لیتا ہے تُو
آج ہے ضرب المثل شغلِ زیاں کاری ترا — کام ہر مجلس میں ہر دل کی عزاداری ترا
اک یہی رونا ہے جس کو عمر بھر روتا ہے تُو — محوِ استعجاب ہوں کیوں چُپ نہیں ہوتا ہے تو

اب ضروری ہو زمانے کی بھی حالت کا لحاظ — فرض ہو تجھ پر رفاہِ ملک و ملت کا لحاظ
دیکھ تو کیا ہو رہا ہو ہر طرف دُنیا کا رنگ — ہو نظامِ دہر کی کایا پلٹ پر عقل دنگ

ایک طرف یورپ کے شوقِ جنگ و خونخواری کو دیکھ — ایک طرف جاپان کی پُرہول تیاری کو دیکھ
اُڑ رہے ہیں لوگ تیرے سامنے افلاک پر — تو ہو افتادہ اسی صورت سے فرشِ خاک پر
دہر کا سارا یہ منظر ہو ترے پیشِ نظر — پھر بھی غور اصلاً نہیں تجھ کو کسی اک بات پر
وقت کہتا ہو پروں کو جرأتِ پرواز دے — تو یہ کہتا ہو کہ ساقی کو ذرا آواز دے
عقل کہتی ہو کہ قبضہ چاہیے تلوار پر — تو یہ کہتا ہو کہ آنکھیں ہوں نگاہِ یار پر

واہ کیا نازک خیالی کا ترے انداز ہو — کیا فصاحت اور بلاغت کا یہی اعجاز ہو
آج ہو اضحوکۂ عالم غزل خوانی تری — ہو چکی پانی وہ ساری آتش افشانی تری

ہو چکا ہاں ہو چکا وہ دورِ نوشانوش ختم — ہو چکا اب وہ زمانِ بیخودی و ہوش ختم
میکدے میں مستیِ صہبا تجھے بہکا چکی — تیرے منہ سے بو شرابوں کی بہت کچھ آچکی
مُغ بچوں سے خوب تیری ہاتھا پائی ہو چکی — بدمعاشوں اور شہدوں سے لڑائی ہو چکی

شورِ ہاؤ ہو سے تیرے، آسماں تھرا چکا
پھر چکا آوارہ بازاروں میں ڈنڈے کھا چکا

کر چکا ساقی کی آنکھوں سے بہت راز و نیاز
رکھ چکا مستوں کی فاقہ مستیوں سے ساز باز

صوفی و زاہد کے عمامے اچھالے جا چکے
شیخ و واعظ پر بھی ڈورے خوب ڈالے جا چکے

برق تیرے آشیاں کو خاک بالکل کر چکی
بادِ صرصر تیری شمعِ آرزو گُل کر چکی

رہ چکا برسوں مقید پنجۂ صیاد میں
آ چکیں صدہا بلائیں تجھ پہ تیری یاد میں

گھر چکا اکثر جگہ بے ڈھب چڑیماروں میں تو
بک چکا اِک اِک ٹکے کو جا کے بازاروں میں تو

تیرے پر مقراضِ بے دردی سے کترے جا چکے
تیرے بازو خوب اُڑنے کی سزائیں پا چکے

اپنے دل کو اپنے پہلو سے تو اکثر کھو چکا
اپنی نادانی پر اپنی بے کسی پر رو چکا

خنجرِ ابرو سے زخمی تیرا پہلو ہو چکا
تیرِ مژگاں تیرے سینے میں ترازو ہو چکا

غمزہ و عشوہ کے ہاتھوں ہو چکا تو سینہ چاک
ناز و انداز و ادا سے ہو چکا اکثر ہلاک

اک نگاہِ قہر سے سو مرتبہ تو مر چکا
اک تبسم تجھ کو کتنی بار زندہ کر چکا

کر چکے برسوں لبِ معجز مسیحائی تری
آنکھ کے جادو سے اکثر بندھ چکی بینائی تری

زلف کی ہر تار سے دی جا چکی پھانسی تجھے
اک حنائی سل میں برسوں آ چکی کھانسی تجھے

ہجر کے آزار میں تو زار و لاغر ہو چکا
ضعف و اضمحلالِ غم سے تارِ بستر ہو چکا

رو چکے تجھ کو عزیز، احباب میں غم ہو چکا
محبّینوں میں ترے مرنے کا ماتم ہو چکا

لاش تیری مدتیں گزریں زمیں میں گڑ چکی
قبر تیری ہو چکی پامال مٹّی پڑ چکی

ایک دو کیا سیکڑوں بار آ چکے منکر نکیر
ہو چکا برپا ہزاروں بار حشر دار و گیر

جنگلوں کی خاک اچھی طرح تو نے چھان لی
کوہ و صحرا و بیاباں کی حقیقت جان لی

دشت کے کانٹے ترے تلووں کو چھلنی کر چکے
پانو تیرے ہو کے زخمی آبلوں سے بھر چکے

چاکِ دامن مل چکا چاکِ گریباں سے ترا
ہو چکا قایم کشاکش طوق و زنداں سے ترا

دھجیاں ہو کر ترے کپڑے تبرک ہو چکے
طوق اور زنجیر سب تیرے لئے بک ہو چکے

کر چکا تو کوہ کن کو مات پتھر پھوڑ کر
توڑ ڈالے سب کڑے آخر سر اپنا توڑ کر

رہ چکی تجھ سے گریزاں دانش و فرزانگی
بن چکی تیری مقرب وحشت و دیوانگی

پتھروں کو تو عبودیت کے سجدے کر چکا
ناتراشیدہ بتوں کے پانو پر سر دھر چکا

بتکدے میں رہ چکا محورِ کو ع و اعتکاف
بک چکا پیشِ برہمن تو ہر اک لاف و گزاف

رہ چکی خاکِ حرم کے ساتھ بے باکی تری
کھل چکی شیخِ حرم پر بھی خطرناکی تری

قشقۂ خوش رنگ ماتھے پر سنبھالا جا چکا | جبہ و دستار پر بھی رنگ ڈالا جا چکا

بن کے موسیٰ پھر چکا ہر وادیٔ پُر خار میں | مثلِ یُوسف تیرا سودا ہو چکا بازار میں
چشمِ تر تجھ کو فضیلت دے چکی یعقوب پر | صبر تیرا فوق تجھ کو دے چکا ایوب پر
دار کی آغوش میں منصور بن کر سو چکا | صورتِ سرمد گلی کوچوں میں رُسوا ہو چکا

یہ تکلف یہ تصنع اور یہ رنگ آمیزیاں | ہیں فقط تیری زبانِ کلک ہی کی تیزیاں
ورنہ اصلیت کا اس بیہودگی میں کیا پتا | میں غلط کہتا ہوں تو کچھ تُو ہی مجھ کو سچ بتا
فطرت اِس بے حسی و غفلت کی شکوہ سنج ہے | سُن کہ تجھ کو مقتضائے وقت کا یہ چیلنج ہے
اب نئے سامان پیدا کر تو اپنے واسطے | دوسرا میدان پیدا کر تو اپنے واسطے
زنگ خوردہ ہو چکے تیرے تمام اوزار اب | تیر و نشتر سب یہ تیرے ہو چکے بیکار اب
اب نہیں ان کی ضرورت ملک و ملت کے لئے | قوم اب ہرگز نہیں تیار ذلت کے لئے
بلبل و گل کا اب افسانا پُرانا ہو چکا | وامق و فرہاد کو گزرے زمانا ہو چکا
ہجر و فرقت کی بس اب خدمت گزاری ختم کر | اب یہ آہ و نالہ و فریاد و زاری ختم کر
حسن پر تیری یہ ساری شاعری بیکار ہے | کیا تو کوئی مصر کی منڈی کا ٹھیکہ دار ہے

رو رہا ہے تو جو قیس و کوہ کن کے واسطے | کاش چند آنسو بہا سکتا وطن کے واسطے

عشق کے جس غم سے دِل تیرا ہے گرمایا ہوا | کاش ہوتا وُہ غمِ حبِ وطن کھایا ہوا

تیرے اس سینے میں جس میں ہے گلستاں کی بہار | کاش ہو اپنے وطن کے سنبلستاں کی بہار

تیری وہ آنکھیں جو خونِ دل کی ہیں سرمایہ دار | کاش ہوتیں خستہ حالیٔ وطن پر اشکبار

ہاتھ اُٹھتا ہے جو تیرا دل کے ماتم کے لئے | کاش اُٹھتا نیزہ و شمشیر و پرچم کے لئے

تیرے وہ نالے جو ہیں شب ہائے فرقت کے لئے | کیا ہی اچھا ہو اگر ہوں ملک و ملت کے لئے

تیرا وہ سینہ جو سوزِ عشق سے ہے داغ داغ | کاش اس میں جل اُٹھیں دردِ اخوت کے چراغ

تیرا وہ سر خبط ہے جس کو خطاب و جاہ کا | کاش سودائی بنے ملک و وطن کی چاہ کا

قوم کو آمادہ کر حسنِ عمل کے واسطے | دے تو اِن پودوں کو پانی پھول پھل کے واسطے

تو اگر چاہے تو دے اِس مُلک کی دنیا پلٹ

اک اشارے میں ترے ہو جائے سب کایا پلٹ

"بڑھے چلو"

اُٹھو اُٹھو اُٹھو اُٹھو
کمر کسو! کمر کسو!
سحر سے پہلے چل پڑو
کڑی ہے راہ دوستو!

تھکن کا نام بھی نہ لو
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

جھجھک نہ دل میں لاؤ تم
بس اب قدم اُٹھاؤ تم
ذرا نہ ڈگمگاؤ تم
خدا سے لو لگاؤ تم

ملول و مضطرب نہ ہو
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

اُٹھا دیا قدم اگر
تو ختم ہے بس اب سفر
ہے راہ صاف و بے خطر
نہ کوئی خوف ہے نہ ڈر

چلو چلو! بڑھو بڑھو!
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

تمھارے ہم سفر جو تھے
وہ منزلوں پہ جا لگے
سب آگے تم سے بڑھ گئے
مگر ہو تم پڑے ہوئے

ذرا سمجھ سے کام لو
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

دِلوں میں ہے جو ولولہ،
تو ڈال دو گے زلزلہ

رہے بلند حوصلہ
وہ سامنے ہو مرحلہ
وہیں پہنچ کے سانس لو
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

"چھوڑ دو"

دوستو اب بھی خدارا ضد سے باز آجاؤ تم
یہ تکبر، یہ تعصب، یہ جہالت، چھوڑ دو
عقل سے لو کام؛ دیکھو غور سے دنیا کا رنگ
ہوش میں آؤ یہ مدہوشی و غفلت چھوڑ دو
تم کو رہنا ہے جو اپنے ملک میں عزت کے ساتھ
ایک ہو جاؤ یہ آپس کی رقابت چھوڑ دو
چاہتے ہو تم اگر آزادیِ ہندوستان
یہ قتال و جنگ و خوں ریزی کی عادت چھوڑ دو

سبحۂ و زنّار کی آویزشیں کر دو یہ ختم
یہ فساد و فتنہ و بغض و خصومت چھوڑ دو
شائبہ بھی تم میں غیرت کا اگر ہے دوستو!
چھوڑ دو انگلینڈ والوں سے محبت چھوڑ دو
تم کو انگریز اپنے پنجے سے نہ چھوڑے گا کبھی
کچھ حمیت ہے تو تم اس کی حمایت چھوڑ دو
تم کو آزادی میسر ہو نہیں سکتی کبھی
ہاں اگر برٹش حکومت کی رفاقت چھوڑ دو
کر کے مصنوعاتِ انگریزی کا بالکل بائیکاٹ
اس کو بے تاب و تواں بے تاب و طاقت چھوڑ دو
ایک دن میں غاصبوں سے ملک ہو سکتا ہے پاک
متحد ہو کر جو تم ان کی اطاعت چھوڑ دو
ٹھوکریں کھائی ہیں تو چاٹا کرو صاحب کے بوٹ
خواہشِ عزت ہے تو ان کی حمایت چھوڑ دو

جوانانِ وطن

نامِ نامی ہی تمھارا زیبِ عنوانِ وطن
ہی تمھارے دم سے روشن شمع ایوانِ وطن
بس تمھیں روحِ وطن ہو بس تمھیں جانِ وطن
ہی تمھارے ہی سبب سے عزت و شانِ وطن

اے فدایانِ وطن اے سرفروشانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

ہیں تمھارے دم قدم ہی کی یہ ساری خوبیاں
گام زن ہیں ایک رستے پر جو اہل کارواں
صدق دل سے ہو رہی ہی خدمتِ ہندوستاں
مُلک میں ہیں جرأت و عزم و صداقت کامراں

بڑھ رہا ہی ہر قدم پر جوشش و ہیجانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

زندگی سمجھا ہے تم نے ہر غم و آزار کو
شوق سے تم نے لگایا ہے گلے تلوار کو
تم نے سر دے کر خریدا ہے کمند و دار کو
تم نے اپنے خون سے سینچا ہے اس گلزار کو
لہلہائے کیوں نہ پھر ہر دم گلستانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

ہے تمہارے ہاتھ میں کل شوکت و اقبال کی
ہو تم اک تصویر عزم و ضبط و استقلال کی
رنج کا غم ہے نہ پروا تم کو اضمحلال کی
تم سے وابستہ ہیں امیدیں سب استقبال کی
ہو تمہیں امید گاہِ عظمت و شانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

آلگی کشتی کنارِ بحر ساحل ہے قریب
ہو چکے طے مرحلے جتنے تھے منزل ہے قریب

ہاں بس اب لیلائے آزادی کا محمل ہی قریب
اِک ذرا ہمت دکھاؤ ختمِ مشکل ہی قریب

لے لیا ہاں لے لیا تم نے وہ میدانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

خطاب بہ مُسلم

تو نے اے مُسلم کبھی سوچی یہ بات
اس قدر ہی تُو ذلیل و خوار کیوں

حال کیوں رونے کے قابل ہی ترا
ہنس رہے ہیں تجھ پہ آج اغیار کیوں

ہوگئی رُوحِ عمل کیوں تیری سلب
ہو گئے تیرے قویٰ بے کار کیوں

کیا ہوا تیرا وہ سب جوش و خروش
موت کے سے ہیں یہ سب آثار کیوں

جیتے جی مُردوں سے بدتر ہو گیا
ہو رہا ہی دوسروں پر بار کیوں

ہو گئے کیوں سست و بازو شل ترے
ہو رہا ہی نقش بر دیوار کیوں

تیرے اجزا گر نہ ہوتے منتشر
تیرے دامن کے بکھرتے تار کیوں

رشکِ صد بت خانۂ چیں ہی صنم خانہ ترا — غیرتِ صد گلشنِ رضواں ہی کاشانہ ترا
وسعتِ خوانِ کرم تیری محیطِ عام ہی — تیرا محتاجِ عطا ہی روم ہی یا شام ہی
کر دیا اپنی غنا سے تو نے عالم کو غنی — مشرق و مغرب میں ہی تیرے ٹکے کی روشنی
دولت و ثروت کے چشمے ہوں نہ مانے میں کہیں — سوت اے ہندوستاں ان کی مگر ہوگی یہیں
تو کمالِ عظمت و فضل و ہنر کی کان ہی — سیم و زر کی کان ہی لعل و گہر کی کان ہی
گلشنِ عالم کی یہ سرسبزیاں شادابیاں — تیری نہروں تیرے دریاؤں کی ہیں سیرابیاں
یہ قوی بازو یہ چہرے سُرخ یہ روشن جبیں — سب تری رنگینیوں ہی کے ہیں یہ نقش و نگیں
زلف و عارض کی سیاہی و صفائی تجھ سے ہی — جامہ زیبی تجھ سے ہی گلگوں قبائی تجھ سے ہی
یہ زمانے کی خودی و تمکنت، ناز و غرور — ہی ترے ایثار و بذل و جود ہی کا سب ظہور
تو اگر خوش حال ہی سارا جہاں خوش حال ہی — تیرے اضمحلال سے دُنیا کو اضمحلال ہی
یہ ترے میدان یہ ٹیلے یہ تیرے بن یہ جھاڑ — یہ گھنے جنگل یہ گہرے غار یہ اونچے پہاڑ
الغرض ہی جامعِ اوصافِ عالم تیری ذات — آگئی ہو جس طرح تجھ میں سمٹ کر کائنات
لیکن ان ساری صفات اور خوبیوں کے باوجود — یہ سبب کیا ہی کہ ہی مثلِ عدم تیرا وجود
کھا گئی کس کی نظر تجھ کو یہ ہی اب حال کیا — ہو گیا تیرا وہ جاہ و حشمت و اقبال کیا
آج ہی ضرب المثل عالم میں ناداری تری — کیا ہوئی ہاں کیا ہوئی وہ گرم بازاری تری

چھوڑ دیتا گر نہ تو اپنی سپر — تجھ پہ ہوتے دُشمنوں کے وار کیوں
سردِ ہو جاتا نہ تیرا خون اگر — گرم ہوتی محفلِ اغیار کیوں
گر نہ مٹ جاتا تری غیرت کا جوش — ہوتی اتنی تیری گیر و دار کیوں
تو نہ کھو دیتا اگر اپنا وقار — تجھ سے ہوتا اک جہاں بیزار کیوں

سب ترے اعمالِ بد کی ہی سزا
رو رہا ہے پھر یہ تو بے کار کیوں

ہندُستان

اے زمینِ ہند اے گہوارۂ حسنِ بُتاں — اے جہانِ راز اے سرچشمۂ رازِ جہاں
ذرّے ذرّے میں ترے پنہاں ہیں اسرارِ حیات — چپّے چپّے سے ترے پیدا ہیں انوارِ حیات
خوبی و رعنائی و انداز کی دُنیا ہے تو — حُسنِ شیریں منفعل ہے جس سے وہ لیلا ہے تو
تیرے عشوے روح پرور تیرے غمزے جاں فزا — ترش روئی ہیں تری شیریں نوائی کا مزا
جس ادا کو دیکھیے وہ دیدہ پرور دیدہ زیب — سر سے پا تک گلستاں دلربا و دل فریب

تیری رنگینی و رعنائی وہ سب کافور ہی ۔ حُسن تیرا پردۂ افلاس میں مستور ہی

آنے والے تیرے ہاں باہر سے مالامال ہیں ۔ تیرے گھر والے فلاکت سے پریشاں حال ہیں

آئے تھے پردیس سے مزدوران کا راج ہی ۔ سلطنت اقبال عظمت کی ترے تاراج ہی

حیف ہی نا اہل ہوں شال اور دوشالوں کے لئے ۔ ہو پھٹی چادر نہ تیرے نونہالوں کے لئے

کوٹ بھی ہی تیرے ہاں اغیار کو پتلون بھی ۔ گو نہیں ہی تیرے بچوں کے بدن میں خون بھی

تیرے مہمانوں کو سوءِ ہضم پُرخوری سے ہی ۔ تو نحیف و ناتواں فاقوں کی کمزوری سے ہی

تیرے اپنے جھونپڑوں کے واسطے محتاج ہیں ۔ دوسروں کو بلڈنگیں ہیں کوٹھیاں ہیں لاج ہیں

کون کہہ سکتا ہی تجھ کو دیکھ کر دنیا میں آج ۔ تو وہی ہی جس نے عالم سے لیا صدیوں خراج

بحر و بر پر رعبِ عظمت تھا ترا چھایا ہوا ۔ سامنے تیرے جو آتا تھا وہ تھرایا ہوا

تھے یلان وقت تیرے زورِ بازو سے خجل ۔ سامنے تیرے لرز جاتے تھے شیروں کے بھی دل

ناوک اندازوں نے کھائی تھی ترے آگے شکست ۔ کر دیئے تھے حوصلے تو نے کمانداروں کے پست

سامنے تیرے اُٹھا سکتا کوئی تلوار کیا ۔ تیرا لوہا مانتے تھے ترک کیا تاتار کیا

آج تو ہی اور خاکِ نکبت و ادبار ہی ۔ جو ہی وہ تیرے کچلنے کے لئے تیار ہی

کیا ہوئی تیری حمیت، کیا ہوئی غیرت تری ۔ کیوں یہ بے حسّی ہی آخر کیوں ہی یہ حالت تری

پڑ گیا ہی سرد کیوں فرق آگیا ہی جوش میں ۔ جا رہا ہی خود بخود کیوں موت کی آغوش میں

وقت ہے اب بھی سنبھل جا ورنہ پھر پچھتائے گا
یہ جمودِ مستقل تیرا تجھے کھا جائے گا

"نفاق"

اے نفاق اے پستی و تخریب کے سرمایہ دار — اے بلائے جانِ اقبال و عروج و اقتدار
اے مجسم غفلت و بے حسی و سکر و جمود — اے سراپا نخوت و خود بینی و کبر و نمود
آج دُنیا میں تری سفاکیوں کی دھوم ہے — اک زمانہ تیرا کشتہ ہے ترا مظلوم ہے
کار فرما ہیں ہر جانب تری جلّادیاں — ساتھ رہتی ہیں ترے ویرانیاں بربادیاں
ضرب الامثالِ جہاں ہے مردم آزاری تری — بڑھ کے چنگیز و ہلاکو سے ہے خونخواری تری
شور تھا جن کی توانائی کا شرق و غرب میں — ہو گئے شل پا و دست اُن کے تری اک ضرب میں
جرأت و زور آوری و مردمی میں تھے جو فرد — ایک ہی ہلّے میں تیرے رہ گئے سب ہو کے گرد
دست بستہ سامنے تھے جن کے اقبال و ظفر — وہ بھی کہہ اُٹھے ہیں تیرے ہاتھ سے اَین المفر
جن کی ہیبت سے زمیں لگتی تھی اکثر کانپنے — تیرے آگے یوں ہیں جیسے ڈس لیا ہو سانپ نے
تھے جو دُنیا میں بڑے روشن دل و روشن دماغ — کر دیا گُل تو نے سب کے علم و دانش کا چراغ

ہے یہ سب تیرے ہی لطفِ بے نہایت کا ظہور | ہم جو اب تک ہیں نعیمِ امن و آزادی سے دُور
یہ ترا ہی لطف ہے احسان ہے ایثار ہے | طوقِ محکومی جو یوں اپنے گلے کا ہار ہے
یہ تری چشمِ عنایت ہی کی برکت ہے بڑی | روز بڑھ جاتی ہے اک زنجیرِ نکبت میں کڑی
آہ اے ہندوستاں اے ذلت و خواری پسند | مجمرِ ناچاقی و بغض و عداوت کے سپند
آہ اے محرومِ نعمائے وفاق و اتحاد | بندۂ شر و فریب و مکر و تزویر و فساد
کاٹنے والے خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا | کودنے والے دہکتی آگ میں خود برملا
قید رکھے گا تجھے کب تک گرفتاری کا شوق | کب تری گردن سے اُترے گا غلامی کا یہ طوق
کب تری تقدیرِ نامسعود پلٹا کھائے گی | جسمِ مُردہ میں تری کب رُوحِ تازہ آئے گی
تجھ پہ کب ہوگا نزولِ رحمتِ پروردگار | کب ترے باغِ خزاں دیدہ میں آئے گی بہار
خواب سے چونکے گا کب آئے گا کب تک ہوش میں | تا بہ کَے سویا کرے گا موت کے آغوش میں
اُٹھ زمانے میں نظر دوڑا ہر اک کا حال دیکھ | اپنی پستی دیکھ اپنا ضعف و اضمحلال دیکھ
اپنی بیماری و ناچاری و ناداری کو دیکھ | اپنی بے زوری کو اپنی ذلت و خواری کو دیکھ
اپنے ادبار و مذلت کا سبب معلوم کر | ہوتی جاتی ہے یہ کیوں حالت تری زار و ابتر
جب تعمق کی نظر کو کام فرمائے گا تو | کارفرما پھوٹ ہی کو ہر جگہ پائے گا تو

سنگِ خارا آنچ سے تیری پگھل کر رہ گیا — پڑ کے تیری آگ میں فولاد گل کر رہ گیا
اک ذرا تیری جہاں فرماں روائی ہو گئی — امن و اطمینان کی بالکل صفائی ہو گئی
الاماں والحذر تیری توجہ کی نگاہ — عرصۂ مہر و اخوت بھی ہو گویا رزم گاہ
کیا مروت کیا محبت کیا ترحم کیا حیا — تو جہاں ہو واں نہیں کچھ قتل و غارت کے سوا
تجھ میں ہمدردی نہیں تجھ میں روا داری نہیں — تیرے ہاں جز قہر و تذلیل و دل آزاری نہیں
پھیر دی تو نے جدھر اپنی عنانِ التفات — کر دیا برہم اشارے میں نظامِ کائنات
کوہ کو تو نے بنا کر کاہ، بے قیمت کیا — عرش کو تو نے بنا کر فرش، بے وقعت کیا
تو نے شہ زوروں کو کمزوروں سے دلوائی شکست — تیری شہ پا کر کیا شیروں کو روباہوں نے پست
جو فلک پر تھے زمیں پر تو نے لا ڈالا انھیں — تیری باتوں میں جو آئے تو نے کھا ڈالا انھیں
توڑ کر مسمار تو نے کوہساروں کو کیا — تیرۂ خاکی پہ اُفتادہ ستاروں کو کیا
جب کہیں تیرا اک ادنیٰ سا اشارہ ہو گیا — دامنِ اقبال و عظمت پارہ پارہ ہو گیا
آہ وہ بدبخت و ناہموار و ناقص سرزمیں — آج ہی جو بدنصیبی سے ترے زیرِ نگیں
یوں تو اک دنیا تری پالیسیوں کی ہو شکار — ہاں مگر ہندوستاں پر ہو ترا مخصوص پیار
مہربانی جس قدر تیری ہو اِس کنگال پر — ساری دنیا میں نہیں شاید کسی کے حال پر
تیرے سب اخلاق تیرے سب کمالات و ہنر — ختم ہیں اس بینوا و خستہ و دل ریش پر

آگیا ہی وقت اب اس کم بخت کو پامال کر ملک سے جس طرح بھی ہو اُس کا استیصال کر
اُٹھ اور اب اس نامبارک پیڑ کی جڑ کاٹ دے مرد ہی تو اِس خلیجِ کشمکش کو پاٹ دے
یہ اگر ہی ملک میں تو فارغ البالی کہاں
امن و آزادی کہاں آرام و خوش حالی کہاں

تعصّب

اے تعصّب اے عدوئے امن و اطمینانِ خلق اے وبالِ ملک و ملت اے بلائے جانِ خلق
اے اسیرِ بندِ جہل و حرص و بغض و انتقام اے غلام ابنِ غلام ابنِ غلام ابنِ غلام
تیرے ہاتھوں ہو رہا ہی کس قدر جانوں کا خون تیری گردن پر ہی لاتعداد ارمانوں کا خون
تو نے جس پر پیار سے اپنی نگاہیں ڈال دیں موت نے اس کے گلے میں آ کے باہیں ڈال دیں
تو نے امرت پر نگہ ڈالی تو وہ بِس ہو گیا کر دیا مَس تو نے سونے کو تو وہ مِس ہو گیا
جس بھری بستی کو تاکا اُس کو ویراں کر دیا جس گلستاں پر نظر ڈالی بیاباں کر دیا
تیرے نغمے جس جگہ گرمِ ترنّم ہو گئے خشک دریا ہو گئے پایاب قلزم ہو گئے
تو نے جس سے دوستی کی کر دیا اس کو ہلاک خاک اس کو کر دیا تو نے کیا جس سے تپاک

سحر والوں پر تری آنکھوں نے افسوں کر دیا ۔۔۔ تیرے سائے نے خردمند دل کو مجنوں کر دیا
تھے جو احساسِ مجسّم سب وہ پتھر ہو گئے ۔۔۔ گوہرِ فہم و عقل تیرے سامنے کنکر ہو گئے
ناقص و کامل برابر ہیں تری سرکار میں ۔۔۔ کوڑیوں کے مول ہیں ہیرے ترے بازار میں
تو نے کیا واقف پریت اور پریم کیا ہے پیار کیا ۔۔۔ تیرے ہاں اخلاق کیا، اخلاص کیا ایثار کیا
تیری آنکھوں میں مروّت اور حیا کچھ بھی نہیں ۔۔۔ تیرے ہاں تحقیر و نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں
راج میں تیرے رواداری و ہمدردی کہاں ۔۔۔ آہ وہ خطہ کہ جس خطے کا ہو تو حکمراں
بھیڑیوں سے بھی زیادہ ہے تری درندگی ۔۔۔ تنگ ہے تیرے سبب سے عافیت پر زندگی
تو نے دم میں قوم کی محنت کو غارت کر دیا ۔۔۔ کام صدیوں کا اشارۂ دل میں اکارت کر دیا
تیرے ہاتھوں یوں تو اک عالم ہے برباد و تباہ ۔۔۔ سرزمینِ ہند ہے لیکن تری آماج گاہ
پوچھ گچھ تیری جو دنیا میں نہ ہو کچھ غم نہیں ۔۔۔ قدرداں تیرے ابھی ہندوستاں میں کم نہیں
تجھ کو کیا پروا زمانہ دے بے تجھے گھر سے نکال ۔۔۔ ہو نہ ہندوستاں میں تیرے چاہنے والوں کا کال
تیرا جادو جو نہ چلتا ہو زمانے میں کہیں ۔۔۔ مطمئن رہ تو کہ چل جائے گا بے کھٹکے یہیں
ڈر تجھے کس کا مزے کر، چین کر، آرام کر ۔۔۔ کام لے تدبیر و حکمت سے اور اپنا کام کر
روپ تیرے نت انوکھے رنگ تیرے نت نئے ۔۔۔ کام تیرے نت نرالے ڈھنگ تیرے نت نئے
جلوہ فرما ہے کہیں تو جبہ و دستار میں ۔۔۔ ہے کہیں آسن جمائے قشقہ و زنار میں

ہے کہیں واعظ، کہیں صوفی، کہیں تو مولوی | ہے کہیں سادھو کہیں پنڈت کہیں تو جوتشی
ہے کہیں گرمِ عمل تبلیغ کے کاموں کے ساتھ | کارفرما ہے کہیں شدھی کے ہنگاموں کے ساتھ
دھیان برہما کا کسی کو اور نہ اب یادِ الست | پوجتے ہیں سب تجھے کیا بت شکن کیا بت پرست
کوئی ہندو اب نہیں کوئی مسلمان اب نہیں | سب کا ایمان ایک تو ہے اور ایمان اب نہیں
ایشیا اے بدنصیب اے نامبارک ایشیا! | سُن کہ یہ عرشِ الٰہی سے ہے آتی کیا صدا

قسمتِ اقوام کا اب فیصلہ ہونے کو ہے
ایک مُلک ایسا یہاں ہے جو فنا ہونے کو ہے

تلقینِ قفس

ہم قفس رو نہ بہت شکوۂ صیاد نہ کر | آبروِ حوصلۂ ضبط کی برباد نہ کر
میں سمجھتا ہوں کہ تو عیشِ گلستاں سے ہے دُور | تجھ کو اس قیدِ بلا سے ہے رہائی منظور
پچھلی آزادیوں کا دھیان جب آتا ہے تجھے | ہجرِ احبابِ چمن سخت ستاتا ہے تجھے
چہچہے یاد جب آتے ہیں گلستاں کے تجھے | خواب آتے ہیں نظر سنبل و ریحاں کے تجھے
تھا کبھی پھولوں کے جھرمٹ میں نشیمن تیرا | اور اب خانۂ صیاد ہے مسکن تیرا

شاخِ گُل پر کبھی کٹتی تھی جوانی تیری
اب ہے محبوسِ قفس زمزمہ خوانی تیری

سب ہے سچ سب ہے بجا سب یہ بھی سب درست
پھر بھی بے کار ہے اس طرح سے رہنا ترا شست

مَیں نے مانا کہ قفس تیرے لیے ہے جنجال
پھر بھی جو امن یہاں ہے وہ ہے گلشن میں محال

زندگی خاک تری باغ میں ہوتی تھی بسر
نت نیا رنج نیا غم تھا تجھے آٹھ پہر

روز پڑتا تھا تجھے اِک نہ اِک اُفتاد سے کام
جورِ گلچیں سے کبھی فطرتِ صیاد سے کام

خوفِ شاہیں سے نکلتی تھی نہ آواز تری
ہر گھڑی تاک میں تھا چنگلِ شہباز تری

کسی گوشے میں لگائے تھا کوئی جال کہیں
کوئی بیٹھا تھا کمیں کرنے کو برباں کہیں

آشیانہ تھا ترا وقفِ اُجڑنے کے لئے
جسمِ نازک پہ ترے تیر تھے پڑنے کے لئے

کبھی صرصر کبھی آندھی سے تھا پالا تجھ کو
کوئی جُز برق نہ تھا پوچھنے والا تجھ کو

پیٹ کی فکر میں عالم تھا پریشانی کا
کبھی دانے کا تھا خلجان کبھی پانی کا

رات دن کام تھا محنت سے مشقت سے تجھے
کوئی مطلب ہی نہ تھا عیشِ فراغت سے تجھے

اب یہاں دیکھ کہ ہے کس قدر آرام سے تو
مطمئن کلفتِ صیاد و غمِ دام سے تو

نہ یہاں برق کا کھٹکا نہ خزاں کی کاہش
چین سے گوشۂ عزلت میں ہے بے رنج خلش

باد و باراں کے مصایب کی تجھے فکر نہیں
صرصر و خار کے آلام کا یاں ذکر نہیں

نہ یہاں جال کا دھڑکا ہے نہ شہباز کا ڈر
نہ یہاں تیر و کمان و قدر انداز کا ڈر

دانے دانے کے لیے اب نہیں زحمت تجھ کو
بن گیا ہے قفس اک آیۂ رحمت تجھ کو

نہ مشقت ہے نہ محنت ہے نہ حیرانی ہے
پھر بھی نالاں ہے جو تو یہ تری نادانی ہے

شکر کر میری طرح کاٹ دے آرام سے دن
ورنہ گزریں گے بہت کلفت و آلام سے دن

جوانانِ وطن سے خطاب

جوانانِ وطن بس خواب سے بیدار ہو جاؤ
بہت غافل رہے اُٹھو بس اب ہشیار ہو جاؤ

یہ روزِ بد تمھاری غفلتوں ہی نے دکھایا ہے
بس اب کروٹ بدلنے کے لئے تیار ہو جاؤ

گئے وہ دن کہ تھا جب اختلافِ مذہب و ملت
بس اب اک دوسرے کے مونس و غمخوار ہو جاؤ

بس اب باہم دگر سیکھو رواداری و ہمدردی
بس اب آپس میں سب کے دوست سب کے یار ہو جاؤ

دکھا دو اپنی قوت اپنے دشمن کے مقابل میں
وہ پتھر ہے تو تم اک آہنی دیوار ہو جاؤ

فنا کر دو غرور و عُجب و خود بینی کو دُنیا سے
سراپائے خلوص و ہمت و ایثار ہو جاؤ

مٹا ڈالو خودی کو خود سری کو خود پرستی کو ۔۔ خدا کا نام لو مومن بنو دیں دار ہو جاؤ

یہ کس نے کہہ دیا تھا تم باایں زور و توانائی ۔۔ اپاہج بن کے بیٹھو اور یوں بے کار ہو جاؤ
حمیّت نے تمھاری یہ گوارا کر لیا کیونکر ۔۔ کہ تم عالم میں یوں پست و زبون و زار ہو جاؤ
تمھاری غیرتِ فطری نے یہ کیونکر اجازت دی ۔۔ کہ تم اس طرح رسوا و ذلیل و خوار ہو جاؤ
تمھاری حریت کیشی نے تم کو کس طرح چھوڑا ۔۔ کہ تم یوں پائے بندِ فطرتِ اغیار ہو جاؤ
تمھاری عقل و دانش کا نہ تھا یہ مقتضا ہرگز ۔۔ کہ تم یوں نشۂ پندار میں سرشار ہو جاؤ
تمھاری عاقبت بینی نے کیوں تم کو یہ رخصت دی ۔۔ کہ یوں محوِ فریبِ سبحہ و زنار ہو جاؤ

حیاتِ قوم و ملت منحصر ہے سر کٹانے پر ۔۔ جو ہو جینا تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ
جب مکر و عیاری کی یورش ہے زمانے پر ۔۔ اٹھو حق و صداقت کے علم بردار ہو جاؤ
ابھی کر دو گے تم سطحِ بلند و پست کو یکساں ۔۔ بس اتنا ہے کہ پہلے خود ذرا ہموار ہو جاؤ
مٹا دو گے ابھی دم میں نجاستِ کفرِ باطل کی ۔۔ ضرورت ہے کہ پہلے حق کے جانبدار ہو جاؤ
صنم خانہ غلامی اور محکومی کا ڈھا دو گے ۔۔ بتوں سے دہر میں آمادۂ پیکار ہو جاؤ

جو چاہو گے وہ ہو جائے گا جو چاہو گے کر لو گے
مگر یہ ہے کہ پہلے متحد اک بار ہو جاؤ

طالبِ آزادی سے خطاب

طالب آزادی کا ہو ناداں تو اس کے ڈھنگ سیکھ
گڑگڑا کر ہاتھ پھیلاتا ہو کیا یہ بھی ہو بھیکھ
تو نے تو اس کو بنا رکھا ہو اک بچوں کا کھیل
یوں منڈھے چڑھتے کہیں دیکھی ہو دُنیا میں یہ بیل
یوں ہی مِل جاتی خوشامد سے جو یہ جنسِ گراں
کیوں بہا کرتیں زمانے میں لہو کی ندیاں
کوئی خطرہ کوئی ڈر ہوتا نہ گر اس راہ میں
بھینٹ کیوں چڑھتے سر آزادی کی قرباں گاہ میں

دیکھ ہاں دیکھ! اے جمود و سُکر و غفلت کے غلام
جنگِ آزادی میں باتوں سے کہیں چلتا ہو کام
بس وہی ہوتا ہو کچھ اِس معرکے میں کامیاب
موت جس کی زندگی ہو جاں کَنی جس کا شباب

ہے یہ حق اُس کا جو کرسکتا ہے انگاروں پہ رقص
یہ وہی پاتا ہے کرتا ہے جو تلواروں پہ رقص
جسم جس کا دھوپ میں ہوتا ہے تپنے کے لئے
جس کا سر نیزے پہ ہوتا ہے تڑپنے کے لئے
مغزِ سر جس کا اُبلتا ہے کڑکتی دیگ میں
جس کا لاشہ کروٹیں لیتا ہے جلتی ریگ میں
جس کا سینہ خنجر و پیکاں کا جولاں گاہ ہے
جس کے پہلو میں لپکتی بجلیوں کو راہ ہے
حلق میں پھانسی کا پھندا ہے جسے معراجِ روح
دار کا تختہ ہے جس کے واسطے بامِ فتوح

ہاں یہ نعمت ہے بس ایسے ہی جواں مردوں کا حق
تُو بتا کس زعمِ باطل پہ ہے اِس کا مستحق
ہوتی گر تیری طرح دُنیا طلبگارِ سکوں
برف ہو کر جم چکا ہوتا رگِ غیرت میں خوں

ہر طرف ہوتی غلامی ہی غلامی دہر میں
اِک زمانہ مبتلا ہوتا خدا کے قہر میں
چھائی ہوتی جہل و ظلمت کی نحوست ہر طرف
وحشت و ادبار کی ہوتی حکومت ہر طرف
کیوں جہاں ہوتا منوّر علم کے انوار سے
کیوں صدائے زندگی آتی در و دیوار سے
عظمت و اخلاق سے ہوتی زمیں پُر نور کیوں
مُلک ہوتے حکمت و سائنس سے معمور کیوں
دور ہوتا جہل و کذب و ظلمت و طغیان کا
ساری دُنیا اک نمونہ ہوتی ہندستان کا

طلبائے کانپور سے خطاب

جوانانِ وطن تم کو ابھی میداں میں آنا ہے
ابھی اپنی شجاعت کا تمھیں جوہر دکھانا ہے
ابھی عشقِ وطن میں جان کی بازی لگانا ہے
ابھی کیا ہے ابھی تو خون میں اپنے نہانا ہے
ابھی سُولی پہ چڑھنا ہے ابھی پھانسی پہ جانا ہے

ابھی کرنا پڑے گا تم کو سر انجامِ آزادی
ابھی چڑھنا پڑے گا تا حدودِ بامِ آزادی۔
ابھی دینا پڑے گا اک نیا پیغامِ آزادی
ابھی لینا پڑے گا قوم سے انعامِ آزادی
ابھی تم کو بہت کچھ مُلک میں کر کے دکھانا ہے

برسنے دو برستے ہیں اگر تیر و سناں تم پر
کوئی پروا نہیں گر چل رہی ہیں گولیاں تم پر

کرے گا دیکھنا ہی کتنی سختی آسماں تم پر
نہ ہونے دو، نہیں ہوتا فلک گر مہرباں تم پر
بہر صورت وطن کو قیدِ ذلت سے چھڑانا ہی

تمھیں سے ہوگی ہندستاں میں روحِ عسکری پیدا
تمھیں آخر کروگے ملک و ملت میں جری پیدا
جو کرلی تم نے اپنے سر میں شوریدہ سری پیدا
نظامِ دہر میں ہو کر رہے گی ابتری پیدا
بہر قیمت وطن سے جور و وحشت کو مٹانا ہی

تمھارا جذبہ ایثار و خدمت کام آئے گا
تمھارا خونِ ناحق اِک نہ اِک دن رنگ لائے گا
تمھارے پانو پہ سر کبر و نخوت کا جھکائے گا
تمھیں آخر غلامی کی نحوست سے چھڑائے گا
ابھی تم کو بہت کچھ ملک میں کرکے دکھانا ہی

تمھارا علم روشن ہی تمھاری عقل تابندہ
تمھارا نظم کامل عزم راسخ ضبط پایندہ

یقیں رکھو کہ مستقبل تمھارا ہی درخشندہ
تمھیں ہو جن کو رہنا ہی جہاں میں تا ابد زندہ

تمھیں کو زندہ رہنا ساری دُنیا کو سکھانا ہی

خدا تم کو ارادوں میں تمھارے استقامت دے
تمھیں ہمدردی و ایثار و خودداری کی دولت دے
تمھیں اپنے وطن کے ذرّے ذرّے سے محبت دے
تم اپنے دشمنوں کو خاک کردو اتنی قوّت دے

ابھی تم کو وطن کا اک نظامِ نو بنانا ہی

میدانِ عمل

اے محکوم جوانِ ہندی — تجھ کو اگر توفیق خدا دے
اپنے عزم و عمل کا جوہر — آج تو دُنیا کو دکھلا دے
پھونک وطن میں صورِ قیامت — قبر کے سوتوں کو بھی جگا دے
ملک کو دے درسِ آزادی — گھر گھر اک کہرام مچا دے

حکمت اور سائنس کے دریا — ہند کے ہر گوشے میں بہادے
مُلک اپنا ہر شے کی ہو منڈی — ہر گھر کو اک شاپ بنا دے
لندن پیرس، جرمن، اٹلی — سب کے مال میں آگ لگا دے
کیا جاپان اور کیا امریکہ — سب کو سمندر پار بھگا دے

مفلس اور محتاج سُکھی ہوں — مزدوروں کے بھاگ جگا دے
کاری گر کی قسمت پھیرتے — سب کو مالا مال بنا دے
ختم ہو دَورِ فقر و فاقہ — سب کو موہن بھوگ کھِلا دے
خاک سے پیدا کر دے سونا — مینہ کی جگہ موتی برسا دے
سارے کام ہیں یہ لمحوں کے — سب کو اگر تو ایک بنا دے

اے محکوم جوانِ ہندی
کاش اب تجھے توفیق خدا دے

پھونک ایسی اک روحِ غیرت　　مُردہ دلوں کو بھی گرما دے
حبِّ وطن کا جادو کر کے　　اہلِ خرد کو مست بنا دے

کر منزل کی نئی حد قایم　　پھر سے بنا رستے اور جا دے
پھر سے کر تنظیمِ اخوّت　　بچھڑے ہوؤں کو پھر سے ملا دے
ختم ہو دورِ فتنہ و کینہ　　پچھلے سبق کو پھر دہرا دے
بغض و عداوت، رشک و تعصّب　　اِن سب کی دیواریں ڈھا دے
پھر ہو جائیں دیس کے باسی　　بھولے بھالے سیدھے سادے
اُٹھ اور آ میدانِ عمل میں　　زور اپنی قوّت کا دکھا دے
تیری راہ میں جو حایل ہو　　تنکے کی مانند ہٹا دے
جس کو غرّہ ہو طاقت کا　　خاک میں اس کا زور ملا دے
زعم ہو جس کو سرداری کا　　سر اُس کا قدموں پہ جھکا دے
ہو جس سر میں ہوائے نخوت　　پائے حقارت سے ٹھکرا دے

کر کے اپنے دیس پہ قبضہ　　دُنیا میں دھاک اپنی بٹھا دے

حُسنِ اعتقاد

شیخ صاحب آپ کی اسپیچ سُن کر کیا کروں
آپ کی مجلس سے اٹھوں اور پھر توبا کروں

آپ کی تقریرِ روحانی سے کچھ حاصل نہیں
اِن نوازش ہائے نورانی سے کچھ حاصل نہیں

یہ ترقی کا زمانہ اور ضرورت آپ کی
دیکھتا ہوں غور سے واللہ صورت آپ کی

ہوتا دُنیا کا تمدّن آپ کے بس میں اگر
ہر طرف ہوتے یقیناً جانور ہی جانور

روشنیِ علم و حکمت کا نہ ہوتا کچھ نشاں
تیرہ و تاریک ہوتے سب زمین و آسماں

بالیقیں مفلوج ہوتی قوتِ ذہن و دماغ
بس توکل ہی جلاتا اس اندھیرے میں چراغ

آپ کی تبلیغ ہو سکتی اگر کچھ کامیاب
کس طرح ملکوں میں آتے یہ بروقت انقلاب

مٹ چکا ہوتا جہاں سے ترک کی عظمت کا نام
ہو چکا تھا سطوتِ ایرانیاں کا اختتام

بجھ چکا ہوتا فلسطیں کی حمیت کا چراغ
لُٹ چکا ہوتا کبھی کا مصر کی شوکت کا بلاغ

آپ کے زیرِ قیادت جب تلک عالم رہا
پایمالِ ذلت و ادبار و فقر و غم رہا

اب بھی ارشاداتِ عالی وحی منزل ہیں جہاں
رو رہی ہے آدمیت خون کے آنسو وہاں

دیکھنا چاہیں جو آپ اپنی کرامت کا کمال
سامنے ہندوستاں موجود ہے زندہ مثال

خوار و پامال و زبوں حال و پریشان و نزار
مردہ و افسردہ و ژولیدہ و رسوا و خوار

"فرشتۂ جنگ کا پیغام"

(ہندوستان کے نام)

مژدہ اے ہندوستاں کے بے کس و بے پر غلام
آ اِدھر، سُن جنگ کے خونیں فرشتے کا پیام

یہ لڑائی پیش خیمہ ہے اک امنِ عام کا
رُخ بدل ڈالے گی یکسر گردشِ ایام کا

ختم کر دے گا زمانہ وحشت و درندگی
ڈھل کے نکلے گی نئے سانچے کے اندر زندگی

جبر و استبداد کا بازار ہو جائے گا سرد
کبر و نخوت کے رخِ خونیں پہ چھا جائے گی گرد

کر کے تہ رکھ دے گی دامِ کید و فطرت، پالسی
بھول جائے گی سب اپنے ہتکنڈے ڈپلوسی

توڑ دے گا سسکیاں لے لے کے دم، سرمایہ دار
قبر کی تاریکیوں میں چھپ رہے گا سود خوار

نذرِ آتش کر دیا جائے گا قصرِ حرص و آز
طعمۂ گنجشک ہوں گے استخوانِ شاہباز

قصر و ایواں ہوں گے فاقے کرنے والوں کے لئے
لاج و بیلیں وقف سب ہوں گے، کدالوں کے لئے

قصہ ہو جائے گا اربابِ ریاست کا تمام
قبضۂ دہقاں میں ہو گا ملک کا ضبط و نظام

کر دیے جائیں گے ہاتھ اربابِ دولت کے قلم
ہاتھ میں مزدور کے ہو گا حکومت کا علم

صبر کر! ہاں ہند میں بھی انقلاب آنے کو ہے
غیب سے تیری دعائے مستجاب آنے کو ہے

وحشی و درندہ و خونخوار و پُر ہول و مُہیب
آدمی کی شکل میں شیر و پلنگ و فرس و ذیب

چھان مارے آپ کی ساری خدائی کے حدُود
کچھ نہ پایا جُز ریا و مکر و تخریب و جمود

اب زمانے کو ضرورت آپ کی حضرت نہیں
اب متاعِ قلب کی بازار میں قیمت نہیں

اب یہ وعظِ جنّت و دوزخ ہی بیکار آپ کا
انجمن میں رنگ جم سکنا، ہی دشوار آپ کا

کام دے سکتی نہیں اب تیری گفتار صرف
اب تو معیارِ تقدس ہی کمند و دار صرف

آئیے تکلیف کر کے سوئے میدانِ جہاد
دیکھیے پھر بدعقیدوں کا بھی حسنِ اعتقاد

اتاترک

اے اتاترکِ معظم اے کمالِ ذی کمال
اے جلالِ عظمتِ ترک و جمالِ ایشیا

آج تیری موت سے ہی عالمِ اسلام میں
زاید از ہنگامۂ حشر ایک ہنگامہ بپا

تو نے دُنیا کو دیا ہی وہ بصیرت زا سبق
جو خلاصہ ہی کتابِ انقلابِ دہر کا

ہو چکی تھی ترک کی عظمت کی جب ترکی تمام
ہو چکا تھا اس کی قسمت کا بظاہر فیصلا

ایک مردِ زار و بیمار و قریب المرگ کو
زندہ رہ سکنے کا استحقاق جب باقی نہ تھا

ہو چکی تھی جب بہم تقسیم فہمی ملک کی
اس کی بربادی کا نقشہ تھا مکمل ہو چکا

ملک میں برپا تھا جب سخت انتشار و اضطراب
یاس و نومیدی کا اک سیلاب تھا آیا ہوا

ہو رہی تھی تنگ جب ترکوں پہ دنیا کی زمین
ترک کے خون کا نہ تھا جس وقت کوئی خوں بہا

جب خلیفہ غیر ملکی سازشوں کا تھا شکار
جب خلافت رہ گیا تھا نام حکمِ غیر کا

تو اٹھا اور یکہ و تنہا اٹھا اس شان سے
تیرے پلّے میں نہ تھا کچھ چند جانوں کے سوا

وہ بھی بے یار و انیس و بے مددگار و معین
غم زدہ آفت رسیدہ اور مصیبت آشنا

اک طرف اشرار کے جاسوس پیاسے خون کے
اک طرف قصرِ خلافت سے بھی فتویٰ قتل کا

پھر بھی اے جانبازِ ملت اے فدائے ملک و قوم
تیرے ابرو پر شکن تھی اور نہ بل ماتھے پہ تھا

ہر طرف سے یورشِ خطرات تجھ پر تھی مگر
اپنی دھن میں تو سدا غلطاں و پیچاں ہی رہا

تو نے پیدا کی وطن میں از سرِ نو زندگی
آتشِ مردہ کو تیرے نطق نے بھڑکا دیا

تیری تقریروں نے ڈالی دلوں میں پھر سے جان
جذبۂ خوابیدہ امید پھر سے جاگ اٹھا

کر دیا پیدا جوانوں میں وہ تو نے جوشِ عام
اک بڑا لشکر ترے پرچم کے نیچے آ گیا

از سرِ نو پھر منظم کر کے ساری قوتیں
دشمنوں پر تو نے ہر جانب سے حملہ کر دیا

ڈٹ کے دی میدان میں تو نے وہ دادِ مردمی
کر دیا اک سخت حیرت میں جہاں کو مبتلا

ہر جگہ دی تو نے دشمن کو شکستِ سخت و فاش
ہر قدم پر کر دیا ہنگامۂ محشر بپا

قوم کی تعلیم کی جانب کیا اقدامِ خاص
سَو ابیں تھے جو آٹھ ان کو ساٹھ تک پہنچا دیا

صنعت و حرفت کے کھولے کارخانے ہر طرف
ملک مصنوعاتِ گوناگوں کی منڈی بن گیا

غیر ملکی مال جس کو خود بنا سکتے تھے ترک
ملک بھر میں کر دیا ممنوع اس کا داخلا

کُھل گئے ہر قسم کے مِل کُھل گئی ہر ورکشاپ
نام بیکاری و عسرت کا وطن سے مِٹ گیا

آج ترکوں کو کوئی دیکھے تو کہہ سکتا نہیں
یہ وہی بیمار ہے جو کل قریبِ گور تھا

ریل، موٹر، گن، مشینیں، توپ، طیارے، جہاز
جملہ سامانِ تمدّن سے ہے ملک آراستا

فوج کی تعلیم ہر بالغ پہ کر کے لازمی
سارے ملک اور قوم کو تو نے مسلّح کر دیا

قوم کے بچّوں میں پیدا کی وطن کی دوستی
سرفروشی اور جانبازی کا درس ان کو دیا

عورتوں کے حق میں رحمت ہو گیا تیرا وجود
تو نے اس طبقے کو فرمائی وہ آزادی عطا

آج ترکی مرد کے پہلو بہ پہلو ملک میں
دے رہی ہے ترک عورت بھی ثبوتِ ارتقا

سب یہ صدقہ ہے حقیقت میں ترا اے باکمال
ہو چکا تھا ورنہ "ترکی" نشانہ تیر کا

تو مسیحائی اگر کرتا نہ اِس بیمار کی
کر چکی تھی موت اس کی زندگی کا فیصلا

اس اڑی میں تو اگر آڑے نہ آتا قوم کے
ہو چکا تھا اس کی امیدوں کا یکسر خاتما

تو نے رکھ لی سارے دُنیا کے مسلمانوں کی لاج
ورنہ رہتی منہ دکھانے کی بھی دُنیا میں نہ جا

آج برپا ہے ترے مرنے سے اک شورِ نشور
رو رہا ہے عالمِ اسلام کا چھوٹا بڑا

مُلک کو پھر سے کیا اغیار کے قبضے سے پاک
کر دیا اشرار کی ڈپلومسی کا خاتما

پھر نئے سر سے کیا قایم نظامِ سلطنت
اقتدارِ غیر کو زیرِ زمیں دفنا دیا

سب سے پہلا کام تیرا تھا خلافت کا زوال
باعثِ خطرہ تھی ترکوں کے لئے جس کی بقا

خانقاہیں جو تھیں جاسوسی کے اڈّے کو بجو
کر دئے تادیب خانے ان ہیں قایم جا بجا

مولوی تھے جو بدیسی ملک کے تنخواہ دار
سخت سے سخت ان کو دی تیری سیاست نے سزا

قہوہ خانے تھے جو غیر اقوام کے جائے پناہ
اک سرے سے تو نے سب کو نذرِ آتش کر دیا

غیر مُلکی کوٹھیاں اور بینک پائے جس قدر
اک نہ اک سے نہ سب کی آزادی میں تو نے دی لگا

جس قدر بھی آئی ڈی نکلے حدودِ مُلک میں
کر دیا بے رد و کد سب کو تہِ تیغ قضا

جن اداروں میں ذرا بھی تو نے پائی بوئے غیر
سر اُٹھانے کی بھی مہلت پھر نہ دی ان کو ذرا

باغی و غدار پایا جن کو تو نے قوم میں
دفترِ ہستی سے ان کا نام خارج کر دیا

غیر ملکی جن کو حاصل تھا خصوصی امتیاز
ضابطے میں کس کے سب کو کر دیا بے دست و پا

الغرض ایسی بٹھائی دھاک تو نے ترک کی
رہ گئے سب دم بخود یونان گیا انگلینڈ گیا

ہر طرف سے تجھ پہ یورش کی مسیحی قوم نے
پر تجھے مرعوب دُنیا میں نہ کوئی کر سکا

بزمِ لوزان و جینوا میں وہ بیٹھا تیرا رعب
اتحادی مکر و فطرت کو پسینا آ گیا

فوج کی تنظیم تو نے کی بہ اندازِ جدید
مُلک کا آئین بالکل ہی پلٹ کر رکھ دیا

دے خدا توفیق تیرے عزم کے تقلید کی
ہو تراا نقش قدم اپنے لئے اک رہنما
جنگِ آزادی میں ہندستان کو بھی اے کمال
تیرے نقشِ پا پہ چلنے کی سعادت ہو عطا

جوانو

اے ہند کے بدبخت و تبہ حال جوانو
اب اپنی غلامی کی نحوست کو مٹا دو
للّٰہ اب اس بے حسی و سکر سے باز آؤ
ہاں خود کو مجسّم عمل و عزم بنا دو
میدان میں دکھلاؤ ذرا جوہرِ ہمّت
نقش اپنی شجاعت کا ہر اک دل پہ بٹھا دو
یوں قطع کرو منزلِ آزادئ کامل
ہو کوہ بھی رستے میں جو حایل تو ہٹا دو
سرمایہ و اعزاز و امارت کو جلا کر
اس قصرِ فلک بوس کی بنیاد ہلا دو
بے رحمی و غارت گری و تفرقہ سازی
آرام سے اِن سب کو تہِ خاک سلا دو
سفاکی و وحشت کی حکومت کو مٹا کر
اس قلعے کی اب اینٹ سے تم اینٹ بجا دو
ہر جبر و تعدّی کو زمانے سے کرو ختم
ظلم و ستم و جور کے ایوان کو ڈھا دو
ہر ظالم و جابر پہ کرو رحم کا در بند
ہر سرکشِ و مغرور کی گردن کو جھکا دو

تم کو کوئی رستے سے ہٹا سکتا ہے کیوں کر
بس یہ ہے کہ منزل پہ قدم اپنے جما دو

نہ ڈر

حق پہ باطل کے ستم ہائے فراواں سے نہ ڈر
دشنہ و نیشتر و خنجر و پیکاں سے نہ ڈر

فکرِ ساحل ہے تو کچھ خوف نہ کر طوفاں کا
پار ہونا ہے تو امواجِ پریشاں سے نہ ڈر

قطع کرنی ہے اگر منزلِ مقصود تجھے
کوہ صحرا سے نہ ڈر دشت و بیاباں سے نہ ڈر

جز فنا عیش بقا کی ہے تمنا بے سود
نفع گر تجھ کو اٹھانا ہے تو نقصاں سے نہ ڈر

سر کی بازی طلبِ حق میں لگا دے بے خوف
مصلحت کوش نہ بن اور تلفِ جاں سے نہ ڈر

طوق و زنجیر تجھے رکھ نہیں سکتے محبوس
بندشِ سلسلہ و سختیٔ زنداں سے نہ ڈر

ایک دن یاس کو ہونا ہے مبدّل بہ امید
کثرتِ غم سے نہ ڈر شدتِ حرماں سے نہ ڈر

آگ ہو جائے گی تیرے لئے گلزارِ خلیل
خوفِ نمرود نہ کر، آتشِ سوزاں سے نہ ڈر

پستیوں کے لئے آئے گا بلندی کا بھی دور
اک ذرا صبر تو کر گردشِ دوراں سے نہ ڈر

مُلک اپنا آزاد کراؤ

رنج سہو تکلیف اُٹھاؤ
کوئی غم ہو مت گھبراؤ
بل نہ کبھی ماتھے پر لاؤ
مرد بنو اور مرد بناؤ
اُٹھو اور ہمّت دِکھلاؤ
مُلک اپنا آزاد کراؤ

کب تک یوں ناچار رہو گے
خوار و زبون و زار رہو گے
مفلس اور نادار رہو گے
پشتِ زمیں پر بار رہو گے
کچھ تو ذرا دِل میں شرماؤ
مُلک اپنا آزاد کراؤ

ہمت ہو نہ شجاعت تم میں
غیرت ہو نہ حمیت تُم میں
دولت ہو نہ حکومت تُم میں
اُلفت ہو نہ محبت تُم میں

خود کو بس اب انسان بناؤ
مُلک اپنا آزاد کراؤ

غیروں کو اب گھر سے نکالو
ان سے کہو جاؤ رستا لو
اپنی حکومت آپ سنبھالو
دیس کی جانب دیکھو بھالو

اُجڑی ہوئی بستی کو بساؤ
مُلک اپنا آزاد کراؤ

کیسا جھگڑا کیسی لڑائی
چھوڑ دو یہ سنسار ہنسائی

سب ہو جاؤ بھائی بھائی
مل کے کرو دشمن پہ چڑھائی
تھوڑے سے ہیں مار بھگاؤ
ملک اپنا آزاد کراؤ

کانپور

بس اب ناقابل برداشت ہیں دل کے مرے نالے
تجھے اے کانپور اللہ بالکل خاک کر ڈالے
وجود نحس تیرا ختم ہو جائے زمانے سے
کہ شرم آتی ہی مجھ کو لب پہ تیرا نام آنے سے
تری بستی کو انسانوں کی بستی کون کہتا ہے
بتا مجھ کو یہاں گر ایک بھی انسان رہتا ہے

جہاں روتی ہو آنسو خون کے تہذیبِ انسانی
مسلط ہو جہاں عقل و خرد پر جہلِ شیطانی
ندامت سے جہاں انسانیت سر در گریباں ہو
جہاں روحانیت اپنی زبوں حالی پہ گریاں ہو
جہاں حق و صداقت اپنی پامالی پہ روتے ہوں
جہاں صلح و وفا اپنی تبہ حالی پہ روتے ہوں

جہاں انسان انسانوں کا جیتا خون پیتے ہوں
جہاں اک دوسرے کی ہڈیاں کھا کھا کے جیتے ہوں

جہاں یا اژدہے رہتے ہوں یا کفتار رہتے ہوں
جہاں انسان کی شکلوں میں آدم خوار رہتے ہوں

فلک سے جس زمیں پر قہر کے شعلے برستے ہوں
جہاں کے رہنے والے مہر و الفت کو ترستے ہوں

جہاں چاروں طرف فرعون اور دجال رہتے ہوں
جہاں یا زلزلے رہتے ہوں یا بھونچال رہتے ہوں

جو مجنونوں کی بستی ہو جو دیوانوں کی بستی ہو
جو انسانوں کے بدلے صرف حیوانوں کی بستی ہو

اسے دنیا میں ہرگز حق نہیں آباد رہنے کا
نہیں ذرہ بھر استحقاق اس کو شاد رہنے کا

یہی بہتر ہے وہ ناپاک بستی خاک ہو جائے
کہ اس کے خاک ہو جانے سے دنیا پاک ہو جائے

خاکِ وطن

اے ہند اے خطۂ پاکِ وطن
اے منظرِ حسرت ناکِ وطن
اے قلب تپان و چاکِ وطن

اے خار و خس و خاشاکِ وطن
وہ حوصلۂ بیباک وطن
کیا ہو گیا اب اے خاک وطن

افسوس کہ تو پامال ہے اب
محتاج ہے اب کنگال ہے اب
روٹی کا بھی تجھ کو کال ہے اب
کچھ کہہ تو کہ یہ کیا حال ہے اب

وُہ مال و زر و املاکِ وطن
کیا ہو گئے سب اے خاکِ وطن

دُنیا میں کبھی تھا راج ترا
ہر شخص تھا یاں محتاج ترا
تھا تخت ترا، تھا تاج ترا
نقشہ یہ ہوا کیا آج ترا

بدنام ہے نامِ پاکِ وطن
کیا بات ہے یہ اے خاکِ وطن

صنعت بھی تری برباد ہوئی
حرفت بھی تری برباد ہوئی
شہرت بھی تری برباد ہوئی
عزّت بھی تری برباد ہوئی

ہیں زیرِ زمیں افلاکِ وطن
افسوس افسوس اے خاکِ وطن

ہو فکر جو عزّت کی یارو
کچھ اپنے وطن کی قدر کرو
میداں میں بڑھو آزادی لو
انگریز کے پنجے سے نکلو

روشن کرو نامِ پاکِ وطن
ہو جاؤ فدائے خاکِ وطن

اے ہندو مسلم شرم کرو
اب اپنے دلوں کو نرم کرو
خون اپنی رگوں میں گرم کرو

اس پھوٹ کا کریا کرم کر دو

اے حوصلۂ بیباکِ وطن

حق مانگتی ہو اب خاکِ وطن

جوانانِ وطن

جوانانِ وطن بس اب تمھیں بیدار ہونا ہی　　جہادِ ملک و ملت کا علمبردار ہونا ہی

بُتانِ دیر سے آمادۂ پیکار ہونا ہی　　مہنتوں سے بغاوت کے لئے تیار ہونا ہی

اٹھو اور منہدم کر دو شوالا کبر و نخوت کا

مٹا ڈالو جہاں سے نام جور و بربریت کا

اُٹھو اور حفظِ ناموسِ وطن کا حق ادا کر دو　　بڑھو اور خدمتِ ملت میں اپنا سر فدا کر دو

مٹانا چاہتا ہی جو تمھیں اس کو فنا کر دو　　جو تُم پر جبر کرتا ہی تم اس کا خاتما کر دو

دکھا دو زورِ حق باطل سے قوت آزما ہو کر

رہو گے تم یقیناً کامیابِ مدعا ہو کر

تمھارا عزمِ صادق تم کو ذلت سے نکالے گا　　تمھیں قیدِ غلامی کی مصیبت سے چھڑا لے گا

تمھیں پستی سے بامِ اوج و رفعت پر اُچھالے گا   تمھیں ہمدردی و ایثار کے سانچے میں ڈھالے گا

اگر دکھلا دیا کچھ جوش تم نے نوجوانی کا

یقیں رکھو تمھارے سر ہی سہرا کامرانی کا

وہ دن آنے ہی کو ہے جب ہمارا بول بالا ہو   تمھارے ملک میں عیش و مسرت کا اُجالا ہو

تمھارے دشمنوں کا منہ تمھارے گھر سے کالا ہو   اُٹھائی ہیں جو تم نے زحمتیں ان کا ازالا ہو

وہ عہدِ نیک و ہنگامِ ہمایوں آنے والا ہے

کہ ہندوستان سے دشمن تمھارا جانے والا ہے

وہ دن نزدیک ہے جب ہر طرف آزادیاں ہونگی   ہر سو عیش ہوگا جشن ہوں گے شادیاں ہوں گی

وطن خوشحال ہوگا ملک میں آبادیاں ہوں گی   جفا و جور و استبداد کی بربادیاں ہوں گی

تمھاری کوششیں تم کو کریں گی کامیاب آخر

تمھارے واسطے ہی حریت کا فتح باب آخر

حقیقی مُجرم

یہ سچ ہے کہ ہندوستاں میں ابھی تک　　نہ علم و ہُنر ہے نہ عزم و عمل ہے
مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ سب تباہی　　فقط آپ ہی کی توجہ کا پھل ہے

یہ سچ ہے کہ اہلِ وطن کے دِلوں میں　　نہ حُبِ وطن ہے نہ جوشِ وفا ہے
مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ سب نتیجا　　فقط آپ ہی کی عنایات کا ہے

یہ سچ ہے کہ ہندی جواں کی رگوں میں　　حمیت رہی ہے نہ غیرت رہی ہے
مگر یہ بھی سچ ہے کہ اب تک یہ صورت　　فقط آپ ہی کی بدولت رہی ہے

یہ سچ ہے کہ آپس میں ہندوستانی　　ہر اک بات پر بے سبب لڑ رہے ہیں
مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ پیچ سارے　　فقط آپ ہی کے سبب پڑ رہے ہیں

یہ سچ ہے کہ ہر سمت ہندوستاں میں　　گھٹائیں جہالت کی چھائی ہوئی ہیں
مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ سب بلائیں　　فقط آپ ہی کی بُلائی ہوئی ہیں

یہ سچ ہے کہ باہم دگر مُلک بھر میں　　رواداریاں ہیں نہ غم خواریاں ہیں
مگر یہ بھی سچ ہے کہ اصل اس کا باعث　　فقط آپ ہی کی فسوں کاریاں ہیں

یہ سچ ہے کہ اپنی حماقت کے باعث　　بہت جلد مٹ جائیں گے ہند والے
مگر یہ بھی سچ ہے کہ مٹنے سے پہلے　　وہ کر دیں گے تم کو قضا کے حوالے

غزلیات

زمانے کی نیرنگیاں کہہ رہی ہیں کہ ہو ایک سخت انقلاب آنے والا
خبر چند ہی دن میں سُن لیجیئے گا، اسیروں نے زنداں کا در توڑ ڈالا

ضرورت ہی دل کی تو موجود ہی دل مگر یہ گزارش ہی سرکارِ والا
غریب آدمی ہوں کہیں مر نہ جاؤں، اگر ہو گیا کوئی گڑبڑ گھٹالا

ہوئی ہی کبھی وحشتِ دل زیادہ تو کیا دیکھتا ہوں کہ تم سامنے ہو
تمھارے تصور کو اللہ رکھے کہ اکثر اسی نے ہی مجھ کو سنبھالا

بس اب تو یہ جی چاہتا ہی کہ او بُت تری ہی پرستش کروں زندگی بھر
بٹھالوں تجھے دل کی گہرائیوں میں بنالوں پھر اِس دل کو میں اِک شوالا

نہ کر مجھ کو مجبور سیرِ گلستاں مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے ہمدم
ہرا کرتا ہے میرے زخموں کو سبزہ مرے دل کو داغ اور دیتا ہے لالا

اُٹھو اے شبِ ہجر کے سونے والو! کہ ہے اب طلوعِ سحر ہونے والی
نوید اہلِ مشرق کہ مغرب میں سورج بس اب چند لمحوں میں ہے چھپنے والا

عدو ہی نہ تھا خواستگارِ محبت وہاں ہم بھی تھے بے قرارِ محبت
پر اللہ رے اس بت کی فطرت کہ اس نے یونہی روز وعدوں پہ دونوں کو ٹالا

بس اب وقت آخر ہے بیمارِ غم کا یہ مہمان ہے اب یہاں کوئی دم کا
حواس اس کے سنبھلے ہوئے تم نہ سمجھو، مری جاں یہی چیز تو ہے 'سنبھالا'

نکیرین نے کی اگر مجھ سے پرسش تو کر دوں گا میں بے تکلف گزارش
ہے ایماں مرا ایک بت کی پرستش اسی کی ہے سمرن اسی کی ہے مالا

جہاں میں کہیں عقل و دانش کی ہم کو نظر آئی جب دال گلتی نہ احمق
تو ہم نے بھی اپنی خردمندیوں کو جنونِ حماقت کے سانچے میں ڈھالا

وہاں نت نیا ہے جفا کا قرینا — بس اے ضبطِ غم اب تو مشکل ہے جینا
خدا کی قسم گر یہی ضد ہے واعظ! — تو رندوں کو بھی کفر ہے اب نہ پینا

زمانہ جہاں "لفٹ" پر جا رہا ہی
پہنچنا ہی واں ہم کو دزینہ بزینہ

غلامئ اغیار ہو جس کا مقصد
یقیناً ہی مرنے سے بدتر وہ جینا

اگر تیغ کھینچو تو موجود ہی دِل
اگر تیر مارو تو حاضر ہی سینا

ہم اکلِ حلال اس کو کہتے ہیں واعظ
کہ جو ایک کر دے لہو اور پسینا

جہاں دفن کردو شہنشاہیت کو
وہیں سے نکل آئے گا اِک دفینا

صدا آرہی ہی یہ دار و رسن سے
کہ فردوں کا مرنا ہی قوموں کا جینا

اُٹھایا ہی بیڑا مرے ناخدا نے
ڈبوئے گا منجھدھار ہی میں سفینا

نہ ہوتی گر اسکیم "کو ایجوکیشن"،
تو "گلرو" کی قسمت میں کب تھی "زرینا"

وہاں ہوں جہاں لوگ کہتے ہیں احمق
"یہ بے چارہ بدقسمتی سے ہی بینا"

اپنا فسانۂ وفا ان کو یونہی سنائے جا
بس یونہی بوٹ کھائے جا بس یونہی سر کھجائے جا

فاقہ کشوں کی فکر چھوڑ، خوب ڈنر اڑائے جا
کھانے نئے نئے کھاتے ہیں جو غم تو یونہی مال کھائے جا

خود کو جلا کے خاک کر گر نہ مس جو بن سکے
"بوتہ" اگر وفا کا ہی آنچ پہ آنچ کھائے جا

ملک میں راستے ہیں دو اب جو تجھے پسند ہو
یا سوئے جیل خانہ چل یا سوئے ویسرائے جا

تیری نیازمندیاں درخورِ اعتنا نہیں — مفت میں پانو توڑے جا مفت میں سر کھپائے جا

فکرِ پلاؤ ہے جنوں نانِ جویں کی خیر مانگ — یہ بھی نہ ہو تو ذکر کیا بس جو ملے وہ کھائے جا

تلخیِ جامِ زیست سے کر بخوشی لب آشنا — زہر کے گھونٹ نوش کر اور یونہی مسکرائے جا

ڈٹ کے مقابلے پہ آ اہلِ جفا و جور کے — سینے پہ تیر کھائے جا اور قدم بڑھائے جا

احمق اگر ہے کُل جہاں عرصۂ جنگ میں تو ہو
تو یونہی کوٹھری میں بیٹھ اور افیم کھائے جا

اُسے اچھی طرح عاشق کا تڑپانا نہیں آتا — کہ وعدہ تو جسے آتا ہی ٹرخانا نہیں آتا

جفا کرنی نہیں آتی ستم ڈھانا نہیں آتا — تمہیں آتا ہی پھر کیا ہے جو تڑپانا نہیں آتا

حیا نے عذر کچھ ڈھونڈا جو وعدے پر نہ آنے کا — ادا بولی "تو کیا ہم کو مکر جانا نہیں آتا"

جنابِ محتسب آدابِ میخانہ سے واقف ہیں — اسی باعث تو ان کو زجر فرمانا نہیں آتا

مصیبت میں وہ اپنے کام آسکتا نہیں ہرگز — فراغت میں جسے غیروں کے کام آنا نہیں آتا

باین ملت فروشی بھی بڑے صاحب کے دفتر سے — میاں کلو کو خوشنودی کا پروانا نہیں آتا

اٹھا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بزمِ صہبا سے — بٹھا کر بزم میں ساقی کو ترسانا نہیں آتا

مزا جینے کا ہرگز پا نہیں سکتا محبت میں — یہاں مرنے سے پہلے جس کو مر جانا نہیں آتا

چپت بازی اگر رندوں نے کی تو کیا بُرائی کی
حقیقت یہ ہے واعظ تجھ کو سمجھانا نہیں آتا

ہمیشہ اک نئے عاشق کی رہتی ہے تلاش ان کو
کہ باسی ان کے دسترخوان پر کھانا نہیں آتا

حکایت جان بل کی یا کہانی مارشل لا کی
تجھے احمق کوئی دلچسپ افسانا نہیں آتا

ہمارے دل کا کوئی قدرداں نہیں ملتا
یہ اونٹ وہ ہے جسے ساربان نہیں ملتا

رہائی پا کے اسیرِ قفس کہاں جائے
چمن میں اس کو کہیں آشیاں نہیں ملتا

کچھ ان کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے
تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا

نکل کے گھر سے مرے اب یہ حال ہے کہ انہیں
تلاش پر بھی کوئی قدرداں نہیں ملتا

میں قیس ہوں کہ اُٹھاؤں ترے شترِ غمزے!
عبث مزاج ترا ساربان نہیں ملتا

وہ مرگِ غیر پہ اظہارِ غم کریں کیوں کر
کرائے پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

رقیب ہی کے لئے ہے یہ چائے اور بسکٹ
ہمیں تو پان بھی لے میری جاں نہیں ملتا

جگر پہ تیرِ ستم کھانے کی تمنا ہے
ستم یہ ہے کوئی ابرو کماں نہیں ملتا

سرِ غیور کہاں، بابِ اہلِ جاہ کہاں!
کبھی زمین سے یہ آسماں نہیں ملتا

وفا کی جنس ہے بازارِ دہر میں ناپید
کسی دکاں میں یہ سودا یہاں نہیں ملتا

مجھے ہوا اپنی حماقت کا رنج کیا احمق
کہیں جہاں میں خرد کا نشاں نہیں ملتا

محض بیکار ہی سرگشتہ و حیراں ہونا
شیخ جی آپ کی قسمت میں نہیں خاں ہونا

کیوں نہ ہو باغ سے اخراج نواسنجوں کا
قسمتِ زاغ میں ہی مرغِ خوش الحاں ہونا

رات وہ غیر کے دھوکے میں عنایت اُن کی
صبح پہچان کے مجھ کو وہ پشیماں ہونا

کبھی کاکل کا ہی سودا کبھی گیسو کا مراق
مری تقدیر میں لکھا ہی پریشاں ہونا

کیوں نہ کثرت سے عیاں ہوں برص ہیں کے داغ
ہی تنِ یار کو رشکِ چمنستاں ہونا

آپ کی خدمتِ ملّی کی ہی اک دستاویز
آپ کا ویسر گل لاج میں مہماں ہونا

تجھے زیبا نہیں اے مدعیِ بوم صفت
مثلِ بلبل گلِ عارض پہ غزل خواں ہونا

دیتے ہیں یوں مرے ترکے کی وراثت کا ثبوت
ورنہ وہ اور مری لاش پہ گریاں ہونا

ڈر نہ ہو ترکِ ادب کا تو یہ واعظ سے کہوں
"حاملِ ریش کو لازم ہی مسلماں ہونا"

آگیا اور تو سب کچھ مگر اے عہدِ جدید
آدمی کو نہیں آیا ابھی انساں ہونا

اپنی تحسین و ثنا بس نہ بہت کر احمق
کہ ترے نام سے ظاہر ہی ہمہ داں ہونا

مآلِ زندگی ہے عشق میں بے آبرو ہونا
مبارک حضرتِ دل 'فول' ہونا، 'ڈیم لو' ہونا

اگر عاشق سے نفرت تھی، تو یہ علت ہی کیوں پالی
پسند آیا تمھیں ناحق ازل میں خوبرو ہونا

خدا کے واسطے، تم میرے دل کا خون کر ڈالو
نہ دیکھا جائے گا مجھ سے امیدوں کا لہو ہونا

کریں کس منہ سے ہم صاحب کا شکوہ ٹھوکریں کھا کر
محبت میں تو پہلی شرط ہے بے آبرو ہونا

کہیں تکمیلِ آزادی ہوئی ہے قید خانوں سے ؟
ابھی پھانسی کے پھندوں کو تو ہے زیبِ گلو ہونا

جب آئے ہند میں انگریز، بدبختی یہ چلائی
مبارک ایک اور دو کی جگہ 'ون' اور 'ٹو' ہونا

بیاں کرنے کو ہے وحشت کا قصہ تیرے سودائی
کہیں اے گیسوئے پُر پیچ و خم برہم نہ تو ہونا

قیامت ہے سیہ روئی کی پروا کون کرتا ہے

میسّر ہو کہیں صاحب کے آگے سرخرو ہونا

ڈوائنڈ نے جو رخنہ ہند کی قسمت میں ڈالا ہی

اِک ایسا چاک ہی، ممکن نہیں جس کا رفو ہونا

ہر اِک کی مانگ، ہر اک کی طلب، ہر اک کی فرمایش

مصیبت ہوگیا ہی میرے دل کا 'فالتو' ہونا

ترے احباب تو سب نوکری کو منع کرتے تھے

تجھی کو کچھ پسند آیا ہی احمق 'ڈیم یو' ہونا

مرا افلاس احمق میری ناقدری کا ساماں تھا
وہاں میں کوٹ اور پتلون میں تھا پھر بھی عریاں تھا

دلِ برباد کی ہم کیا سنائیں تم کو کیفیت
یہی ویرانہ ہی جو ایک دن رشکِ گلستاں تھا

الگ رہتا تھا ان کافروشوں کے دامِ فطرت سے
مگر یہ ان دنوں کا ذکر ہی جب میں مسلماں تھا

اب آئے ہو تو یہ بھی داستاں تم کو سنا دیں گے
نہ پوچھو کس مصیبت میں دلِ برباد ہجراں تھا

چلو اچھا ہوا دل ہو گیا غارت محبت میں
یہی ظالم مری بربادیوں کا اصل ساماں تھا

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ صاحب کی عنایت سے
حکومت تھی مری بنگلے پہ اور میں خانساماں تھا

سلامت کس طرح رہتے نہ ہم بحرِ حوادث میں
کہ بیڑا اہلِ حق کا خوگرِ گردابِ طوفاں تھا

لقبِ شیطاں کا اب پایا ہی میں نے نکتہ چین کر
فرشتے سے سوا تھا جب تک ان کا منقبت خواں تھا

خدا کی شان دیکھو آج زنداں کے محافظ ہیں
وہ جن کا مقصدِ اول شکستِ بابِ زنداں تھا

ہم اہلِ خانقہ کی نیم عریانی کو کیا کہتے
کہ نیچر گاہِ کالج قوم کا، بالکل ہی عُریاں تھا

دل و دیں کے لئے بیکار اب روتا ہی کیوں احمق
تجھے تھا یا بُتوں کی دوستی کا مجھ کو ارماں تھا؟

چلائی دل پہ چھُری، سینے کو فگار کیا
غضب کا تو نے ستم اے نگاہِ یار کیا

جنھوں نے آپ کے وعدے کا اعتبار کیا
اُنھوں نے اپنا ٹھکانا تہِ مزار کیا

رقیب اور وفا عقل بھی تو ہے کوئی چیز؟
کہا حضور نے اور میں نے اعتبار کیا!

ہزار عہد کئے ترکِ عشق کے لیکن
یہ وہ بلا ہی کہ پھر بھی ہزار بار کیا

غضب ہیں اس بُتِ مغرب کے ہتکنڈے اے دل
اُسے مٹا ہی دیا جس کو اس نے پیار کیا

نہ تھی جو وصل کی مرضی تو کیوں بُلا کے مجھے
فضول آپ نے خرچے سے زیر بار کیا

مرے مٹانے کا ٹھیکہ دیا ہی برٹش کو
فلک نے اور نیا اک شریکِ کار کیا

بھلا ہی وہ بھی مسلمان! جس نے مصلحۃً
خدا کی راہ میں اظہارِ حق سے عار کیا

ستم کے طور نہ بنتے تھے تجھ سے کیا اے چرخ
کہ تو نے شیوۂ انگریز اختیار کیا

تباہ کرکے متاعِ حواس وعقل وخرد　　جنابِ دل نے محبت کا کاروبار کیا

گلوں سے بڑھ کے ہے رنگیں مرا کلام احمق
جسے جو مِل گیا، اس نے گلے کا ہار کیا

خبطِ گیسو ہوا، عشقِ رخِ جاناں نہ ہوا　　مجھ کو پیچش ہی ہوئی شکر ہے یرقاں نہ ہوا

صلۂ قوم فروشی کی تمنا ہی رہی　　مر مٹا 'شیخ' خوشامد میں، مگر 'خاں' نہ ہوا

گلِ عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح　　ایک الّو بھی تو کمبخت غزل خواں نہ ہوا

جیل خانے کے چنے جس نے کبھی چاب لئے　　پھر وہ صاحب سے مٹن چاپ کا خواہاں نہ ہوا

اہلِ یورپ نے کیا ہے وہ تماشا جو کبھی　　آپ کے باپ سے بھی حضرتِ شیطاں نہ ہوا

لبِ آنر نے کیا مجھ کو نہ ممتاز خطاب　　میرے عیسیٰ سے مرے درد کا درماں نہ ہوا

مجھ کو حیرت ہے ترے عہد میں اے دورِ صلیب　　کیوں ابھی آرڈرِ ضبطیِ قرآں نہ ہوا

نہ قفس کی تجھے پروا ہے نہ صیاد کا خوف　　شکر کر زاغ کہ تو مرغِ خوش الحاں نہ ہوا

چارہ گر اس لئے روتے ہیں کہ بیمارِ فراق　　تختۂ مشقِ خیارین وسپستاں نہ ہوا

نئی تہذیب کا بہروپ بہت کام آیا　　آدمیت سے گزر کر بھی میں حیواں نہ ہوا

جیل ہے یا یہ کوئی بزمِ ادب ہے احمق　　تجھ پہ کچھ بھی اثرِ سختیِ زنداں نہ ہوا

یہ ظلم اے صیاد نہ کرنا دیکھ ہمیں آزاد نہ کرنا
اپنے گھر کو خلد بنا کر پیروِیِ شداد نہ کرنا
بھول نہ جانا یاد ہماری بھول کے ہم کو یاد نہ کرنا
ہو نہ کہیں اُن کی رُسوائی دیکھ اے دِل فریاد نہ کرنا
یہ بھی اُن کی ایک ادا ہے میرے کہے پر صاد نہ کرنا
خوگر ہوں میں رنج ستم کا دیکھو مجھ کو شاد نہ کرنا
بڑھتی ہی جاتی ہیں جفائیں کب تک یہ فریاد نہ کرنا
وعدے کرنا آزادی کے اور کبھی آزاد نہ کرنا
مجھ کو سڑا کر اپنی گلی میں کھیت کی اپنے کھاد نہ کرنا
حکم ہے مجھ کو خاموشی کا تُم بھی پھر فریاد نہ کرنا

شعر نہیں اچھے احمقؔ کے
ہرگز ان پر صاد نہ کرنا

کسی کا جھانکنا اور جھانک کر روپوش ہو جانا کسی کا دیکھنا اور دیکھ کر بے ہوش ہو جانا
دکھانا خوب خوب اے واعظو یوں و ترتقاری مگر جب سامنا باطل کا ہو، خاموش ہو جانا

مئے تہذیب بزمِ خود پرستاں، جان لے ساقی
یقینی تھا میاں کلو کا کنٹر نوش ہو جانا

ارے او چھپنے والے مار کر ہم بے گناہوں کو
خدا کے سامنے بھی حشر میں روپوش ہو جانا

مری ان گرم اسپیچوں کا منشا کچھ نہیں حاشا
سوا اس کے کہ تھوڑی دیر کو اک جوش ہو جانا

عنادل پہ ستم مقصود ہے صیاد کو، ورنہ
قفس میں کیا انھیں آ جائے گا خاموش ہو جانا؟

اگر بندوق بن سکتا ہے تیرِ غمزۂ جادو
تو مرغِ دل کو بھی آ جائے گا خرگوش ہو جانا

سوالِ وصل پر کیا کچھ نہ امیدیں بندھاتا ہے
کسی کا بڑبڑا کر زیرِ لب خاموش ہو جانا

مزے کی سیر ہے ان کے لئے فریادِ بلبل پر
وہ غنچوں کا چٹکنا اور ہمہ تن گوش ہو جانا

سبق دیتا ہے کیا کیا سوز مندانِ محبت کو
یہ جلنا شمع کا اور دفعتہً خاموش ہو جانا

ابھی دورِ خزاں میں شاعری کر لو میاں احمق
بہار آنے کو ہے پھر مستِ نوشا نوش ہو جانا

مرا اشکِ غم وجہِ طوفان ہوگا
یہ قطرہ کبھی بحرِ جاپان ہوگا

بتوں کی جفائیں یہی ہیں تو آخر
برہمن بھی اک دن مسلمان ہوگا

خفا مجھ سے ہیں شہر کے ایک ممبر
بس اب میری موری کا چالان ہوگا

کہاں جائے گا ہند سے سامراج اب
یہیں دفن کا اس کے سامان ہوگا

سُناؤ نہ اپنی ہزیمت کا قصّہ
کہ بیچارہ ریوٹر پریشان ہوگا

پروفیسروں کی نوازش یہی ہے
تو اسلام ہوگا نہ ایمان ہوگا

بہت تنگ ہوں تلخیٔ زندگی سے
اگر زہر لادو تو احسان ہوگا

ہماری حفاظت کی اسکیم کیسی
ہماری تباہی کا سامان ہوگا

نہ آئے اگر میری تنخواہ کے دن
مجھے کیا، تمھارا ہی نقصان ہوگا

کرے گا یقیں ان کے وعدے کا احمق
تجھی سا اگر کوئی نادان ہوگا

بول بالا ہے یہاں تک ستم ایجادوں کا
شور پہنچا ہے فلک پر مری فریادوں کا

میری نیّت بھی ہے توبہ کی جنابِ زاہد
صرف یہ ہے کہ مہینا ہے ابھی بھادوں کا

دیکھیے ایک صدی بعد کہاں ہو دُنیا
عہدِ سائنس ہے اور زور ہے ایجادوں کا

کچھ نہ کچھ لاگ تو ہو جی کے بہلنے کے لئے
سلسلہ بند نہ ہو عشق کی اُفتادوں کا

ہم حسینوں کو سمجھتے تھے نجیب الطرفین
کام کرتے ہیں یہ کمبخت تو جلادوں کا

تیرے کوچے کے سوا اے ستم ایجاد نہیں
کہیں دُنیا میں ٹھکانا ترے بربادوں کا

دیکھیے جس کو وہ بیہودہ و گستاخ و شریر
آپ کا گھر ہے کہ تکیہ کوئی آزادوں کا

کچھ اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی — ماحصل مجھ سے نہ پوچھو مری فریادوں کا

لے گئے لوٹ کے کل ہند کی پبلک کو پرنس — جو لٹیروں کا تھا کام اب ہے وہ شہزادوں کا

مطمئن ہو کے نشیمن میں نہ بیٹھ اے بلبل — غول پھرتا ہے تری تاک میں صیادوں کا

تجھ کو تک بند بھی کہنا غلطی ہے احمق
شاعری سچ تو یہ ہے کام ہے اُستادوں کا

اسی ترکیب کو اُلفت میں ہم نے بے خطر جانا — کرا کر جان بیمہ صدمۂ فرقت سے مر جانا

ہمیں نے کچھ ترے قامت کو خوب اے فتنہ گر جانا — قیامت کا اُسے اک قدِ آدم پوسٹر جانا

بڑا دعویٰ ہے اپنی سادگی پر ماہِ کامل کو — ذرا اک دن گھڑی بھر کے لئے تم بھی نکھر جانا

مرے گھر سے جو نائی آئے تھے گو سب وہ جھوٹے تھے — مگر میں نے تو اُن کو مثلِ ریوٹر، معتبر جانا

تمھیں جانا تمھیں سمجھا تمھیں دیکھا تمھیں پایا — اگر پایا اگر دیکھا اگر سمجھا اگر جانا

خریدی جاتی ہے کیونکر وطن کی جنسِ آزادی — یہ اک ایسا معمّا تھا جسے سر بیچ کر، جانا

گلہ ہم زندگی کی تلخیوں کا کیا کریں اُن سے — وہ کہہ دیں گے کہ اس جینے سے تو بہتر ہے مر جانا

امیدِ وصل میں یار، بِک گئی سب جائیداد اپنی — وہاں اُن کے لیے اک کھیل تھا کہہ کر مکر جانا

یہ تاویلیں بجا ہیں، پھر بھی بے جا ہے جنابِ دل — وفورِ شوق میں تہذیب کی حد سے گزر جانا

گدھے بھی حضرتِ عیسیٰ کے ہیں آفت کے پرکالے		کوئی چرتا ہے گھاس، آتا ہے ان کو عقل چرجانا

بڑے احمق ہو تم بھی، دِل کہیں پھوکٹ میں ملتا ہے

اسے بھی تم نے کوئی میم صاحب کی نظر جانا؟

نہ دیکھوں میں تمھیں، مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

جسے آنکھیں خدا نے دی ہیں اندھا ہو نہیں سکتا

کسی صورت میں آؤ، ہم تمھیں پہچان ہی لیں گے

ہمیں برق و چراغ و گل کا دھوکا ہو نہیں سکتا

خیالِ کونسل بھی شیخ کو ہے پاسِ مسجد بھی

یہ بے چارہ دو عملی میں کہیں کا ہو نہیں سکتا

یہ مغرب کے 'چمر گدھ'، سب پرانے 'گھاگ' ہیں لیکن

ترا ہم سر کوئی 'اُلو کا پٹھا' ہو نہیں سکتا

ہمیں ان کالجوں سے جو ملے گا، ہم سمجھتے ہیں

مگر یہ ہے تمھیں قلبوں کا ٹوٹا ہو نہیں سکتا

وطن کی خاک کے ہر ذرّے کا حق آدمی پر ہے

کوئی اس بوجھ سے مر کر بھی ہلکا ہو نہیں سکتا

ہمارا دل تمھارا ہو گیا، یہ کیا تماشا ہے
ذرا پھر تو کہو، "کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا"

مجھے پامال کرتے ہو مگر یہ بھی سمجھ رکھو
کہ مٹ سکتا تو ہے انسان پیدا ہو نہیں سکتا

یہ کیسی شورشیں ہیں ملکِ دل میں یاس و حسرت کی
یہاں شاید نفاذِ مارشل لا ہو نہیں سکتا

چمن کتنے ہی داغ لالہ و نرگس دکھا ڈالے
مگر وہ "گلشنِ جلیانوالا" ہو نہیں سکتا

کہاں تک صبر آخر تا بہ کے یہ خامشی احمقؔ
میاں! ہم سے تو ضبطِ جورِ بے جا ہو نہیں سکتا

محبت میں روا کیا ناروا کیا
مسوں کا حکم اچھا کیا، برا کیا

مری حالت سے ان کو واسطا کیا
وہ کیا جانیں وفا کیا ہے جفا کیا

مری کشتی ہے بے پروائے ساحل
تلاطم خیزیِ بحرِ فنا کیا!

سوالِ وصل پر مار و عدو کو — یہ اس اُلّو کے پٹھے نے کہا کیا
تم اپنے دستِ و بازو کو سراہو — ہماری سخت جانی کا گِلا کیا
بڑے صاحب نے پوچھا ہی ہمیں آج — نہ پوچھو اب ہمارا پوچھنا کیا
ہمارا دِل، جسے چاہیں اسے دیں — میاں ناصح تمھارے باپ کا کیا
مرے خط کے عجب معنی تراشے — لکھا کیا تھا رقیبوں نے پڑھا کیا
نوازش ہائے آنر دیکھتا ہوں — شکایت ہائے بٹلر کا گلا کیا
مجھے اے ڈاکٹر پیچش نہیں ہی — مریضِ زلف کو مگنیشیا کیا

حکومت بھی مگر خبطی ہی احمق
مرے اشعار پر دو نہ سزا کیا

جو خانساماں کے ناز اُٹھائے تو اردلی کا عتاب دیکھا
نہ پوچھ اے شوقِ جی حضوری کہ ہم نے کیا کیا عذاب دیکھا
کہیں ہمارے مٹانے والے نہ خود ہی رہ جائیں مٹ کے اک دن
کہ بارہا اس طرح بھی ہم نے جہاں میں ہی انقلاب دیکھا
نہ جن کو پروائے دین و مذہب نہ جن کو احساسِ قوم و ملت

ہمیشہ ایسے ہی بزرگوں کا گزٹ میں بس انتخاب دیکھا
جہاز کچنر کا ڈگمگایا تو موت نے ہنس کے غل مچایا
بنا جو فرعون اس کو آخر غریقِ طوفانِ آب دیکھا
عجیب کالج ہے عشق کا بھی نہ ڈپلوما جس میں ہے نہ ڈگری
ہمیشہ ناکام اس کو پایا، جسے یہاں کامیاب دیکھا
وہ خواہ بھنگی ہو یا برہمن ہر اک کو ہے وصلِ یار حاصل
نہ اِس طرف کوئی شرم پائی نہ اس طرف کچھ حجاب دیکھا
کوئی ہے گونگا، کوئی ہے بہرا، کوئی ہے لنگڑا کوئی ہے لولا
جسے بھی دیکھا ترا فدائی، تری طرح لاجواب دیکھا

قفس کی دُنیا ہی تھی کہ جس میں نہ تھا کسی چیز کو تغیّر
دگرنہ عالم کے ذرّے ذرّے میں نت نیا انقلاب دیکھا
شباب بیکار کھو رہا ہے، عجیب احمق ہے تو بھی زاہد
یہی زمانہ تو ہے کہ کوئی شراب دے پی، کباب دے، کھا

پیشِ نظر جس وقت ہمارے، حُسنِ رُخِ جانانہ تھا
دِل کا ہر ہر گوشہ گویا، ایک تجلّی خانہ تھا

علم و عمل و فضل و ہُنر میں ہر فرد اپنا یگانہ تھا
آدمی کہلاتے تھے جب ہم، وہ بھی ایک زمانہ تھا

قیس، خدا کی رحمت اُس پر، سودائی تھا یا مجنوں
جس فن میں تھی مہارت اس کو، اس میں فرد و یگانہ تھا

اپنے اپنے غم کا بیاں تھا اپنی اپنی زبانوں میں
کیا بُلبل کی نوحہ گری تھی کیا قمری کا ترانہ تھا

کم نکلے بندے وہ خدا کے، ہوں جو حرص و ہوا سے پاک
کی گئی جب تحقیق دلوں کی ہر گھر اک بُت خانہ تھا

بات ہی رندوں کی تھی نرالی، دُنیا ہی کا رنگ تھا اور
ساقی جب ساقی تھا ہمدم، میخانہ میخانہ تھا

حسرت دِل میں، داغ، جگر میں، سینے میں درد آنکھ میں اشک
ہر جا ایک نئی صورت میں عکسِ رُخِ جانانہ تھا

دل کھو کر معلوم ہوا، ہوتے ہیں یہ بُت کیسے فطین

عقل مجھے اب آئی ورنہ میں اب تک دیوانہ تھا

بے ساقی کے رات نہ پوچھو کیسے لہو کے گھونٹ پیے
ورنہ وہی مے تھی شیشے میں اور وہی پیمانہ تھا

عشق و جنوں کی آگ میں پڑ کر عاشق اور معشوق تھے ایک
جل بجھنا انجام تھا سب کا شمع تھی یا پروانہ تھا

اپنی اپنی اُڑان آ آ کر بھر گئے دو دو دن سب لوگ
دُنیا احمق کیا تھی گویا ایک کبوتر خانہ تھا

کچھ اجل ہی سے علاجِ تپِ فرقت ہوگا
کارگر یاں نہ عرق ہوگا نہ شربت ہوگا

جو منافیٔ خیالاتِ رعیت ہوگا
نیست نابود وہ ہر طرزِ حکومت ہوگا

بوسۂ پا نہ سہی بوٹ کی ٹھوکر ہی سہی
اُن سے جو ہم کو ملے گا وہ غنیمت ہوگا

زندگی تجھ کو فنا ہو کے ملے گی اے قوم
ترا جینا ترے مرنے کی بدولت ہوگا

دوزخ اے زاہدِ مغرور ہے پھر کس کے لیے
واقعی تو بھی اگر داخلِ جنت ہوگا

بزمِ دشمن میں تمھیں جس نے زد و کوب کیا
کوئی ناواقفِ آدابِ محبت ہوگا

جانِ بُل! ہندو و مسلم میں ضروری ہے نفاق
بس یہی تیرے تحفظ کی ضمانت ہوگا

شیخ سے تذکرۂ پستیٔ ملت نہ کرو
یہ بیاں اس کے لیے موجبِ رقت ہوگا

فلکِ پیر، ترا عہدِ شباب و اقبال
واقعہ یہ ہے کہ برٹش کی حکومت ہوگا

وقت کہتا ہے مرے ہاتھ سے ہے سب کی فنا
وہی رہ جائے گا جو صاحبِ قوت ہوگا

آپ احمق سے تکلف نہ برتیے مری جان
ورنہ وہ بھی کبھی مجبورِ حماقت ہوگا

پیدا نہ کر سکے جو زمانے میں انقلاب
سچ تو یہ ہے کہ شیب سے بدتر ہے وہ شباب

یوں تو خدا ہے شافیٔ مطلق، مگر جناب!
ظاہر میں ہے مریض کی حالت بہت خراب

محنت سے بھاگتے ہیں مگر چاہتے یہ ہیں
جب امتحان ہو تو ہیں ہم ہوں کامیاب

اتنا ہی غم کھلاؤ جو تم خود بھی کھا سکو
اس بے تکے حساب میں گڑ بڑ نہ ہو حساب

آتا ہے اب تو اڑ کے ہوائی جہاز پر
وہ دن گئے کہ چھکڑوں پہ چلتا تھا انقلاب

اے دل نہیں ہے سعادتِ کبریٰ کہ بہرِ عشق
تجھ کو کیا ہے ان کی جفاؤں نے انتخاب

مشرق کو اب طلوعِ سحر کی نوید دو
مغرب میں ہے غروب کے نزدیک آفتاب

رندوں کے ساتھ مجھ کو جہنم قبول ہے
جنت میں قربِ زاہدِ خود بیں ہے اک عذاب

پیدا کرے گا لیلیٰ و مجنوں کہاں تلک
کالج خدا کے واسطے بس اب بدل نصاب

جائز ہی مالِ مفت کا مفتی کو جس طرح　　رندوں کو بھی ہی مفت کی جائز یونہی شراب

احمق سر اور بوٹ کا جب نرخ ایک ہو
دیوانہ ہوں کہ پھر بھی ہوں سودائیِ خطاب

خوب جوتے سے دیا اس بُت کی ٹھوکر کا جواب
مرحبا اے دل یہی تھا بس برابر کا جواب
سو بلاؤں سے بچاتی ہی بشر کو خامشی
ایک چُپ میری ہی ان کے شورِ محشر کا جواب
فتح گڑھ کا جیل یاد آتا ہی تجھ کو دیکھکر
عارضِ خوش رنگ تیرے ہیں ٹماٹر کا جواب
آسمانِ برتری کے ہیں یہ دونوں مہر و ماہ
'مصطفٰے' کا ہی کہیں ثانی نہ 'انور' کا جواب
یاد آئی جب غمِ ساقی میں ہم کو مے کشی
چشمِ پُر نم بن گئی لبریز ساغر کا جواب
وارنش سے منہ بہت چکنا کیا اپنا، مگر

زیر پائی سے نہ بن آیا سلیپر کا جواب
بس وہی صورت، وہی نقشہ، وہی وضع و تراش
تو سراپا ہی بلا تشبیہ بندر کا جواب
کر دیا لاکھوں کو زخمی جس طرف پھیری نگاہ
تیرا ابرو بھی حقیقت میں ہے خنجر کا جواب
کس طرح بولے نہ لندن کی صدا پر رائٹر
اک یقینی امر ہے سیٹی پہ تیتر کا جواب
دل ہے اور مژگان قانونِ تحفظ کی صفیں
اک سپاہی دے رہا ہے سارے لشکر کا جواب
واقعی انصاف تو یہ ہے کہ اے احمق نہیں
مہملیت میں ترے اشعار بہتر کا جواب

اے مرغِ گرفتار مبارک یہ بشارت ... ہونے کو ہے اب نسل ہی صیاد کی غارت
کیا ہو گئی قاتل وہ تری شق و وہابیت ... دم بھی مرے سینے میں ہے اور دوش پہ سر بھی
اے شیخ مبارک شرفِ حج و زیارت ... انگریز کے صرفے سے بصد عزت و اکرام

برجستگیٔ نامۂ پُر شوق نہ پوچھو! — پڑھنے ہی سے رکھتی ہی تعلق وہ عبارت
اس مُلک میں جس پر ہی شیاطین کا تسلّط — مخصوص ہی واعظ کے لیے حق سفارت
سنتا ہی بہت آج کل ایمان کا سودا — کچھ فیل نظر آتی ہی زاہد کی تجارت
جب مسندِ دل پر متمکّن ہو شہِ عشق — دی جائے ترے درد کو کرسیٔ وزارت

اس درجہ غلو ان کی ستایش میں کہ احمق
شیطان بھی محسوس کرے اپنی حقارت

دوزخ اچھّا، مگر اے زاہدِ ناکارہ سرشت — تو ہی جس کا متولّی، نہیں اچھّی وہ بہشت
غرہ مت کر، ہی جہاں ایک بساطِ شطرنج — کہ یہاں شاہ کو پڑتی ہی پیادے سے بھی کشت
عرضِ احوال کی نوبت ہی وہاں ناممکن — جب کہوں گا میں کوئی بات، وہ فرمائیں گے "ہشت"
ہم توانا‌ؤں سے اچھے ہیں وہ بیمار جنھیں — شوربا کھلانے میں ہی، ناشتے میں نیم برشت
شیخ کہتا ہی کہ جنّت کا وہ حق دار نہیں — کم سے کم ریش نہ ہو جس کی سوا دو بالشت
جی حضوری رفقا آپ کے مسٹر ابلیس — آپ سے بڑھ کے ہیں صافی منش و نیک سرشت
دل کا اب حال یہ ہی آتشِ غم سے جل کر — ہیزمِ خشک ہو تنور میں جیسے انگشت
راستے کتنے بھی ہوں منزلِ مقصود ہی ایک — مرحلے ہیں حرم و دیر و کلیسا و کُنشت

ہیبتِ لندن و شملہ سے ہیں سب لرزہ بہ تن / رعبِ بغداد و دلوں میں ہو نہ اب عظمتِ چشت
دل اک الماس کا ٹکڑا ہی، مگر آپ اسے / پارۂ سنگ سمجھ لیجیے یا ریزۂ خشت

لیپ کافورِ تشدد کا اگر ہوا احمق
چند ہی روز کی ہی ان کے ستم کی خارشت

رفقا آپ کے بھی حضرتِ شیطاں ہیں بہت / کہ اسی شکل، اسی وضع کے انساں ہیں بہت
دردِ دل، سوزِ جگر، آہِ سحر، نالۂ شام / تو نہیں ہی تو شریکِ غمِ ہجراں ہیں بہت
وحی کا جن پہ ہوا کرتا ہی شملے سے نزول / ہند میں ایسے بھی پیغمبرِ عرفاں ہیں بہت
ہر طرف پیرس و لندن ہی کے مہماں ہیں سب / حفظِ ایماں کے تری بزم میں ساماں ہیں بہت
آسماں کی تو زمانے میں شکایت کم ہی / ہاں ترے جبر ترے جور سے نالاں ہیں بہت
میری تخریب کے خواہاں تو نہوں وہ اے کاش / جو بظاہر مری تعمیر میں کوشاں ہیں بہت
وائے قسمت کہ جگر میں متعدد نہیں زخم / ورنہ اب شورشِ مرہم کے نمکداں ہیں بہت
کعبہ انگلینڈ ہی جن کا تو گورنر قبلہ / فضلِ حق سے ابھی ایسے بھی مسلماں ہیں بہت
عاشقوں کو ترا کوچہ جو نہیں ہی نہ سہی / اُلوؤں کے لیے دُنیا میں بیاباں ہیں بہت
رنج مٹنے کا تو ہی، فکر ابھرنے کی نہیں / دستِ اصلاح ہیں کم دیدۂ گریاں ہیں بہت

اپنی یکتائی پہ تجھ کو ہے غلط ناز احمق
تجھ سے دُنیا میں ابھی ناقص و ناداں ہیں بہت

یوں انڈیا میں پانو جمائے ہوئے ہے آج
جیسے یہاں سے مر ہی کے نکلے گا سامراج

اے صبر! تجھ سے جبر کا ممکن نہیں علاج
ڈنڈا نہ ہو تو غیر موثر ہے احتجاج

بے دخل ہو رہا ہے مہاجن زمین سے
ے اے کسان، آ کے سنبھال اپنا کام کاج

احباب میں خلوص و محبت نہ ڈھونڈیئے
مدت ہوئی نہیں ہے اب اس چیز کا رواج

آخر کو شیخ شہر بھی جاسوس بن گیا
یارب تری پناہ! بری شی ہے احتیاج

دار و رسن کی آخری منزل پہ جا کے ڈھونڈھ
زنداں کے لئے کلاس میں ملتا نہیں سوراج

عزم و عمل کی تجھ میں نہیں ہے اگر کمی
اے قوم تیرے پانو پہ لوٹیں گے تخت و تاج

ناقہ کشی کا راز کسی پر نہ کھل سکا
رکھ لی مہ صیام نے دستِ تہی کی لاج

حاصل ہے شاہباز کو حقِ درندگی
کنجشک کو نہیں ہے مگر اذنِ احتجاج

ہیں آج عہد وصل پہ راضی خوشی خوشی
کل ذکرِ وصل سے جنہیں ہوتا تھا اختلاج

احمق سے آپ سخت کلامی نہ کیجیے
وہ با ادب ضرور ہے لیکن ہے بد مزاج

ایک دن ہو کر رہے گا بے نشاں میری طرح
جو نہ ہوگا واقفِ رنگِ جہاں میری طرح
کون اُٹھا سکتا ہے اُن کے ناز اس ذلّت کے ساتھ
کون کھا سکتا ہے ان کی جوتیاں میری طرح
ایک میں ہی کیا ترے ہاتھوں دلِ خانہ خراب
پھر رہے ہیں سیکڑوں بے خانماں میری طرح
ڈھونڈھتا پھرتا ہے قاتل مشقِ خنجر کے لیے
دوسرا اک بدنصیب و سخت جاں میری طرح
سب دھرے رہ جائیں گے صیاد کے احکامِ ضبط
چیخ اُٹھا گر کوئی مجبورِ فغاں میری طرح
یاں نہ روٹی ہے نہ کپڑا ہے نہ عزت ہے نہ علم
ہو نہ یارب کوئی رُسوائے جہاں میری طرح
ساری دُنیا میں نہ پاؤ گے کہیں اے میری جان
بے وقوف و جاں نثار و بے زباں میری طرح
عشق میں نقصانِ دل، نقصانِ زر، نقصانِ کار

کون کرسکتا ہے یہ قربانیاں میری طرح
میں ہی کیا احمق وہاں لاکھوں امیدِ وصل میں
کھو رہے ہیں عمر و دولت رائگاں میری طرح

غلط کہ اب ہو مزاجِ مریضِ عشق صحیح
مگر جو وعدۂ صحت کرے وہ رشکِ مسیح
یہاں تو بن گئی دم پر غلط دلاسوں سے
وہاں تمھارے لیے تھی فقط یہ اک تفریح
کسی کے بوٹ نے سر پر کرم جو فرمایا
مرے نوشتۂ قسمت کی ہو گئی تصحیح
رقیب کے لئے بسکٹ ہیں مجھ کو خالی چائے
نہیں ہے قابلِ برداشت اب یہ ظلمِ صریح
وہ مجھ سے حال نہ پوچھیں مرا تو بہتر ہے
کہ ان کے سامنے مشکل ہے درد کی تشریح
فسانۂ دلِ مرحوم ہے زباں زدِ عام
عجب نہیں جو یہ بن جائے ایک 'ن' 'تلمیح'
مری یہ رائے ترے واسطے ہے سُن لے رائے
کہ آج کل ہے ہر اک بُرائے تبری غیرِ صحیح
صلیب کا ہی قدم درمیان ہیں جب تک
رہیں گے دست و گریباں جنیو اور تسبیح
مریض آپ کے مارے نہ مر سکے گا کبھی
فضول آپ پریشان ہوں جنابِ مسیح
خدا کرے رہے قایم اسی طرح احمق
'عزیزیہ' میں یہ ہر روز شام کی تفریح[ع]

ع مولانا سمیع اللہ صاحب کا کتب خانۂ عزیزیہ واقع اردو بازار دہلی جہاں روزانہ شام کو بہترین تفریح رہتی ہے۔

جفا، جفا کی طرح ہو، ستم، ستم کی طرح
یہ کیا کہ پھٹ پڑے عاشق پہ آپ بم کی طرح

تری کمر کا پتہ مر ہی کے ملے تو ملے
کہ بے نشان ہی وہ بھی رہِ عدم کی طرح

خدا کرے کہ رہے پائدار عہدِ وصال
یہ بار بار نہ ٹوٹے کہیں، قسم کی طرح

جنھیں ہی حق کی طلب بٹتے ہیں وہ جیل میں مونج
جنابِ حسرت و آزادِ محترم کی طرح

ہمارے طالع برگشتہ کے بھی بل آخر
نکل گئے ترے گیسو کے پیچ و خم کی طرح

تمام عالم دفتر ہی منکشف ہم پر
ہمارا دل بھی ہی آئینہ جامِ جم کی طرح

کل اس کو ہوگی مسرت جو آج ہی مغموم
کہ خرمی و خوشی بھی، ہی رنج و غم کی طرح

اگر ہی بزمِ حریفاں میں آبرو کی طلب
تو نکلو میان سے اب خنجرِ دودم کی طرح

بتوں کے واسطے گھر چھوڑتا ہی کیوں احمق
یہاں بھی چین ہیں کاشی کے آشرم کی طرح

سنا رہا ہی مجھے ذکرِ بوستاں صیاد
بلا ہی خوبیٔ قسمت سے مہرباں صیاد

یہ پالسی، کہ ہو بلبل پہ مہرباں صیاد
جبھی درست ہی بڈھے ہوں جب میاں صیاد

چمن تو بلبل نا شاد کا ہی گھر، لیکن
ذرا یہ سوچ کہ جائے گا تو کہاں صیاد!

مزا تو جب ہی کہ شوقِ ہوائے گلشن میں
قفس خود اُڑ کے چلے سوئے بوستاں صیاد!

خدا کرے وہ دن آئے کہیں کہ اے بلبل / نکالے جائیں چمن سے کشاں کشاں صیاد
یہ رحم بھی ہے انوکھا، کہ سُننے بیٹھا ہے / دراز دستیٔ گلچیں کی داستاں صیاد
مجھے اب اُس سے علاقہ نہیں، مگر ہے غلط / "چمن ہے رو بہ خزاں" یہ ترا بیاں صیاد
وہ مُرغ ہوں کہ ٹکے کو بھی ہو سکا نہ فروخت / پھرا ہے لے کے نہ جانے کہاں کہاں صیاد
قفس تو مجھ کو چمن سے بھی کچھ سوا ہے عزیز / عبث ڈرا نہ مجھے، دے نہ دھمکیاں صیاد
قفس میں بھی ہے ڈوائڈ کی پالسی جاری / یہاں بھی کر رہا ہے فرقہ بندیاں صیاد

خزاں میں آئے ہو لاسا لگانے سوئے چمن
عجیب تم بھی ہو احمق مگر 'میاں صیاد!'

پھنس گیا خود بھی دام میں صیّاد / نعرۂ "انقلاب زندہ باد"
تم نے جھوٹی تسلیاں کیا دیں / زندگی ہو گئی مری برباد
چندۂ جنگ کے ستائے ہیں / اے فلک بیکسوں پہ کیا بیداد
فرض ہے قوم پر دفاعِ وطن / اے مسلمان اُٹھ برائے جہاد
میری جانب ہے التفات ان کا / آنے والی نہ ہو کوئی اُفتاد
توڑنا ہی پڑے گا تجھ کو قفس / اب چلے گی نہ دھاندلی صیّاد!

جس پہ انگلینڈ میں نظر ڈالو — کوئی فرعون ہو کوئی شدّاد
جی حضور اِن ملک لے ابلیس — سب ہیں تیری ہی معنوی اولاد
او ستمگر! قدم بڑھائے ہوئے — منتظر ہو ترا عدم آباد
تیرے صدقے ہیں کو ایجوکیشن — گرم شیریں ہی پہلوئے فرہاد

روٹی احمق نہیں تو کیا پروا
مل گئی پیٹ بھر کے شعر کی داد

صیاد پہ گلچیں نے کیا باغ کا در بند — اب اور کرے بلبلِ ناشاد کو پر بند
شیشے کی طرح دیر سے ہم منتظرِ وقت — بیٹھے تو ہیں لبریز سرِ بزم، مگر بند
رہتی ہی جو بلبل کو نشیمن کی بہت فکر — شاید اسے ہونا ہی گرفتار و نظر بند
تم ہاتھ نہ سینے سے ہٹاؤ کہ مری جان — مشکل سے ہوا اس وقت مرا درد جگر بند
وہ صبحِ شبِ وصل یہ فرما کے گئے گھر — بس آج سے عاشق کی دعاؤں ہیں اثر بند!
دستِ کرمِ یار اٹھا ہو پئے تسکیں — اے نالۂ دل، بند، بس اے دردِ جگر، بند!
پاجامے میں جھگڑے ہیں بہت حضرتِ واعظ — پتلون ہی اچھا نہ میانی، نہ کمر بند
بھٹکی ہوئی پھرتی ہیں غریبوں کی دعائیں — برگشتگیٔ بخت سے ہی بابِ اثر بند

یہ حکم ہے صیاد بہادر کا چمن میں
کھولے جو زباں بھی وہ کیا جائے نظربند

کیا تم کو بتائیں وطنِ نوح، ہم احمق
'نارا' جسے کہتے ہیں سب اُردو میں 'کمربند'

لے کے نکلا جو ولیِ عصر کہیں گُرز و کمند
دیو طاغوت کے کرے گا جُدا بند سے بند

'لفٹ' موجود ہے اب منزلِ جاناں کے لئے
عہد وحشت تھا کہ عشاق تھے محتاجِ کمند

سرد مہری بھی ہے شیریں سخنی کے ہمراہ
برف کے ساتھ وہ دیتے ہیں مجھے شربتِ قند

لُطف تو جب ہے کہ تیرے عوض اے مرغِ اسیر
تیرا صیاد قفس میں ہو تیرے سامنے بند

مفت کے مال میں اے شیخ یہ تاثیر ہے کیا
چند ہی روز میں ہو جاتا ہے انسان تنومند

تو نے زنگوں میں بنوائی تھی جو قبر اے دوست
للّٰہ الحمد کہ ہونا ہے اسی میں تجھے بند

آئے گی منزلِ مقصود ذرا صبر تو کر
مرحلے اور ہیں درپیش ابھی راہ میں چند

ان کے پھندے سے جنھوں نے بھی خلاصی چاہی
موت کے گھاٹ وہ اُترے کہ ہوئے جیل میں بند

آپ کا نامۂ اعمال یہ ہے قبلۂ من
اب سزا اپنے لیے آپ ہی فرمائیں پسند

عہد انگلش میں یہ معیار ہے کیرکٹر کا
جس قدر پست ہو، اُتنا ہی زیادہ ہے بلند

ان کے افسونِ سیاست کا کسے علم احمق
ایں ہمہ اہلِ حماقت رہِ افسانہ زنند

جی تو یہ چاہتا ہے کہ عذرِ وصال پر — اک زور سے رسید کروں ان کے گال پر

قابض بھی ہیں ذخائرِ اجناس و مال پر — فاقہ کشی بھی ہے درۂ دانیال پر

اللہ خیر! پھر وہ کوئی جُل مجھے نہ دیں — پھر ٹل رہا ہے عہدِ وفا پار سال پر

تصویرِ طائرِ دلِ عاشق تو دیکھیے — کیا کالی کالی 'چونچ' ہے اور لال لال 'پر'

دوڑائیے نہ بہرِ خدا اب بہت مجھے — اب رحم کیجیے مرے بچوں کے حال پر

میری وفا کی قدر نہ کیا کیجیے گا آپ — خوشیاں منائیے گا مرے انتقال پر

دُنیا کی آنکھ سے ہے سوا دیں کی آنکھ تیز — وہ صرف 'مال' پر ہے مگر یہ 'مآل' پر

نانِ جویں تھی زاہدوں کی دسترس سے دُور — کرنی پڑی قناعت انھیں شیرمال پر

سیرت نہ ہو تو خاک ہے صورت میں دلکشی — مرتے ہیں بے وقوف ہی بس خط و خال پر

اک نرس کے ہیں حضرتِ احمق مریضِ عشق
نزلہ گرے گا اس کا مگر اسپتال پر

یہ تہذیب تو کہتی ہے مسکرا کر — ارے کاٹ دے زندگی ناچ گا کر

عجب کیا جو وہ چشمِ عیار و پُرفن — سلا دے کسی دن مجھے کچھ کھلا کر

جہاں بھی پڑا ہے تمدن کا سایہ — رہا ہے یہ انساں کو حیواں بنا کر

ابھی بھننے لگ جائیں مکّا کی کھیلیں — جو ہنس دیجیے اک ذرا کھلکھلا کر
جو مشقِ ستم کا ارادہ ہے ظالم — یہ دل ہے یہیں سے نہ کیوں ابتدا کر
مجھے بھی قسم ہے جو لے چرخ تجھ کو — نہ رکھ دوں بس اب خاک ہی میں ملا کر
کہے کون ابھی خود بھی منڈنا ہے تُم کو — بہت خوش ہیں میری حجامت بنا کر
نہ مانے گی باتوں سے لاتوں کی دیبی — بڑی بی کو عقل آئے گی مار کھا کر
خدارا حفاظت کرو تُم خود اپنی — فرشتے نہ ہرگز بچائیں گے آ کر
مجھے بھوک سے ان کی ڈر لگ رہا ہے — مجھی کو نہ کھا جائیں بھُرتا بنا کر

وفا کا صلہ بوٹ ہو جب تو احمق
سڑی ہوں جو پاگل بنوں سر کھپا کر؟

یوں خوش ہیں سب کو اپنا طلبگار دیکھ کر — جیسے طبیب شہر کو بیمار دیکھ کر
بدمست مجھ کو، غیر کو ہشیار دیکھ کر — ساقی نے دی ہے ظرفِ قدح خوار دیکھ کر
مدت سے تھا جنوں میں سر اپنا وبالِ دوش — خوش ہوں کسی کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
غافل ہوائیں، اور تراشی انھوں نے جیب — خاموش ہیں ابھی مجھے ہشیار دیکھ کر
بیمارِ غم کی موت کا تھا سخت انتظار — دوڑے وہ ڈاکیے کی طرف تار دیکھ کر

ہے اخذِ محنتانہ کی دھن میں مرا وکیل / میرے مقدمات کی رفتار دیکھ کر

کمبخت! غیر کی بھی گزرگاہ ہے یہی / او پائمالِ شوخیٔ رفتارِ یار دیکھ کر!

ایوان و قصرِ خلد بہت خوب ہیں مگر / کیا دیکھیے ترے در و دیوار دیکھ کر

دل سی شے اور اک نگہِ ناز کے عوض! / بکتا ہے مال چشمِ خریدار دیکھ کر

کعبے سے واسطہ نہ صنم خانے سے غرض / سر رکھ دیا ہے سنگِ درِ یار دیکھ کر

ہوتا تھا ملتفت وہ بُتِ احمق کسی سے کب
لیکن ترا سلیقۂ گفتار دیکھ کر

آوارہ پھروگے دلِ مضطر سے نکل کر / تم چین نہ پاؤ گے مرے گھر سے نکل کر

زندہ کوئی آیا بھی ہے اس گھر سے نکل کر؟ / بھاگ آئے ہیں ہم اپنے مقدر سے نکل کر

شاید مری تقدیر میں پڑنے کے لیے ہیں / یہ پیچ، تری زلفِ معنبر سے نکل کر

اللہ رے مرے نامۂ مخفی کی تباہی / اب غیر کے ہاتھوں میں ہے سنسر سے نکل کر

جلتے ہوئے اغیار کے گھر منہ نہ چھپاؤ / دھوکا تو نہ دو مجھ کو برابر سے نکل کر

اندر ہی سے بس مجھ کو سناؤ گے ہزاروں / یا آؤ گے باہر بھی ذرا گھر سے نکل کر

ہم فاقہ کشوں پر بھی ذرا اک نگہِ لطف / اے شیخ کبھی بزمِ مزعفر سے نکل کر

پابندِ خمِ زلف کو کیا فکرِ رہائی
جائے گا کہاں اب وہ بڑے گھر سے نکل کر

معلوم نہ تھا مجھ کو محبت میں کہ آخر
یوں فول پر آ جائیں گے وہ سر سے نکل کر

احمق یہ تری گوشہ نشینی ہی قیامت
کچھ واقعی کرنا ہی تو اب گھر سے نکل کر

چلا ہی او دل کونسل طلب کیا شادماں ہو کر
زمینِ کوئے آزر رنج دے گی آسماں ہو کر

متاعِ جانِ عاشق لوٹتے ہو پاسباں ہو کر
مری جاں ملک میں ڈاکہ نہ ڈالو حکمراں ہو کر

جنابِ شیخ کی دستار ہی یا دامنِ تقویٰ
کوئی شی میکدے میں اُڑ رہی ہو دھجیاں ہو کر

ہمارے قطرۂ خوں، زیبِ عنوانِ وفا ٹھہرے
رہے افسانۂ عشق و جنوں کی سُرخیاں ہو کر

شبِ وعدہ یہ کیا معلوم تھا یوں آ دھمکیے گا
رقیبِ روسیہ کے ساتھ، مرگِ ناگہاں ہو کر

تماشا ہے بایں بدہیئتی یہ معنربی گڈّے
مری آنکھوں میں رہنا چاہتے ہیں پتلیاں ہوکر

مرا دل اور اُن کی آرزو، یوں ہیں بہم گویا
رہیں دو آدمی باقاعدہ بی بی میاں ہوکر

وہ کیا آتے مگر ہاں آگئیں ان کے تصور میں
دمِ آخر کچھ آہیں لب پہ اپنے ہچکیاں ہوکر

کلیجے پر ہزاروں تیر برسائے بڑھاپے میں
غضب ڈھایا ترے قدِ خمیدہ نے کماں ہوکر

لڑکپن ہی میں جن کو دل چُرا لینے کی عادت ہے
ڈکیتی پر اُتر آئیں گے شاید وہ جواں ہوکر

بسنتی رنگ میں ڈوبا ہوا ہر شعر احمق کا
ہنسا دیتا ہے روتوں کو بھی کشتِ زعفراں ہوکر

اہلِ یورپ کی اداؤں پہ نہ جانا ہرگز
اے دل ان بندروں سے دل نہ لگانا ہرگز

دوستو ساتھ زمانے کے چلو تم، ورنہ
ساتھ دے گا نہ تمھارا کبھی زمانا ہرگز

پوچھتے کیا ہو مرے دِل کی تباہی کا بیان
نہ سُنا جائے گا تم سے یہ فسانا ہرگز

سُن سکے گا نہ کوئی باغ میں اے حضرتِ زاغ
آپ کے عہد میں قمری کا ترانا ہرگز

ختم ہونے ہی کو ہے دورِ غم و رنج و محن
کچھ دنوں میں نہ رہے گا یہ زمانا ہرگز

ہے یہ تہذیب حقیقت میں بنائے تخریب
عقل رکھتے ہو تو دھوکے میں نہ آنا ہرگز

موت میں رازِ حیاتِ ابدی ہے پنہاں
دیکھ مرنے سے کبھی جی نہ چرانا ہرگز

کربلا والوں کی مانند یزیدیوں سے
منزلِ حق میں کبھی خوف نہ کھانا ہرگز

آپ اگر اس سے ذرا سا بھی تغافل برتیں
آپ کا نام نہ لے احمق و دانا ہرگز

مجھے نہ کس لیے دل سے پسند آئے قفس
کہ بوستاں سے بھی دلکش ہے کچھ فضائے قفس

خدا کرے نہ کسی کو بھی مبتلائے قفس
چمن میں دھنتی ہیں سر بلبلیں کہ ہائے قفس

کمندِ زلف ہی کیا کم تھی مرغِ دل کے لیے
کہ اور اُس پہ مسلط ہوئی بلائے قفس

یہ قمریوں ہی کی تقدیر میں ہے حضرتِ زاغ
فضول آپ نہ غوغا کریں برائے قفس

غضب کی دلکشیاں اس میں ہیں خدا رکھے
نہ کیوں لئے دلِ بلبل ہو مبتلائے قفس

ہمیں سمجھتے ہیں کچھ قدر اس اسیری کی
ہزار سبزہ و گل ہوں تو ہیں فدائے قفس

اگر ہی سیرِ گلستاں کی آرزو بلبل
خوشی کے ساتھ اُٹھا سختیٔ جفائے قفس

بس اس لیے کہ وہ کرتی ہی شکوۂ صیاد
ملی ہی بلبلِ ناشاد کو سزائے قفس

کہا ہی جیل میں تو نے جو کچھ کلام احمقؔ
بجا ہی نام اگر اس کا ہو "نوائے قفس"

بتا سکیں گے یہ کچھ ٹھیک ٹھیک ماسٹر لوس
کہ جرمنی سے ہی ہندوستان کتنے کوس

اگر ہی عشق کا دعویٰ، تو دل کا رونا کیا
فضول رنج نہ کر، سر نہ پیٹ، جی نہ مسوس،

وہ میری کھال کی جوتی بنا کے پہنیں گے
فنا کے بعد نکالیں گے حسرتِ پابوس

اِدھر شیوخِ حرم کھکھل اور سب کھکھل
اُدھر بتانِ کلیسا کہ ٹھوس اور سب ٹھس

جو مرد ہو تو نکالو بھنور سے کشتی کو
فضول ہی لبِ ساحل کھڑے کھڑے افسوس

مجھے قبول ہی دوزخ، مگر خداوندا
بہشت دے تو نہ دے مجھ کو مولوی کا پڑوس

اگر ہی قوم کو فاقہ تو ہم کو غم کیا ہی
یہاں تو ہی وہی انڈا، وہی بٹر، وہی توس

شجر نہیں کہ رہوں نہر کا میں دست نگر
وہ سبزہ ہوں کہ ہی کافی خدا کی دی ہوئی اوس

گھروں میں بیٹھ کے منزل کو ڈھونڈھنے والو
یہ اُن کا حق ہی جو طے کر رہے ہیں کالے کوس

وطن میں رہ کے غریب الوطن رہا احمقؔ
کوئی سمجھ نہ سکا اس کے دل کی بات افسوس

خونِ گلچیں سے چمن ہی لالہ زار اب کے برس
کیا ہی اچھا رنگ لائی ہی بہار اب کے برس

اے اسیرانِ قفس مژدہ کہ ہو جائے گی ختم
یہ قفس کی سخت و سنگین گیر و دار اب کے برس

وہ شکاری جن کی ہیبت سے ہیں خواب و خور حرام
صید کے ہاتھوں ہیں ہو گے خود شکار اب کے برس

مکر و سازش کا جو ہی اک جال سا پھیلا ہوا
کر کے رکھ دے گا زمانہ تار تار اب کے برس

جبر، استبداد، شاہی، پالسی، ڈپلومسی
دفن ہو جائیں گے سب زیرِ مزار اب کے برس

ظالموں کو کوئی دنیا میں نہ ہوگی جائے امن
قہرِ حق کر دے گا سب کو سنگسار اب کے برس

وہ جنھیں حاصل ہی یاں ہر اقتدار و اختیار
دیکھنا روتے ہیں کیسے زار زار اب کے برس

سود خواری ہی رہے گی اور نہ زرداری ہی اب
ختم ہو جائیں گے سارے کاروبار اب کے برس

سن بیالیس ایک رحمت ہی، تم احمق دیکھنا
اور ہی کچھ ہوں گے یہ لیل و نہار اب کے برس

کفش دوزی کر، کسی ہشیار کاری گر کے پاس
کیا کرے گا آج کل نادان بی اے کر کے پاس

یا خدا یوں ہی محلے میں رہے چوروں کا زور
بستر ان کا روز بچھتا ہی مرے بستر کے پاس

اُن سے اچھے ہیں جو انگریزوں سے کرتے ہیں اپیل
وہ، جو لے جاتے ہیں اپنی التجا پتھر کے پاس

لذتِ کنجِ قفس سے آشنا گر ہو سکے
مرغ بھولے سے کبھی پھٹکے نہ بال و پر کے پاس

آج تو نے اے نگاہِ یاس غارت کر دیا
تھا جو کچھ سرمایۂ حسرت دلِ مضطر کے پاس

قدرتِ حق کو سزا مقصود تھی نمرود کی
ورنہ ایسا کون سا لشکر تھا اک مچھر کے پاس

رازِ دل اُن کو لکھوں کس طرح، اب حالت یہ ہے
ڈاک سے نِکلا کہ پہنچا خط مرا سنسر کے پاس

کاش ہم عرضِ وفا سے پیشتر ہی سوچ لیں
کچھ نہیں ہے منہ بنانے کے سوا، بندر کے پاس

کیا ہوا اُن میں اگر ہیں اس قدر نیرنگیاں
کیسے کیسے شعبدے ہوتے ہیں بازی گر کے پاس

ایک احمق ہی بچارا کیوں ہی محروم کرم
جب کہ اُٹھتے بیٹھتے ہیں آپ دُنیا بھر کے پاس

ستانے لگی ہی بہت سر کی خارش — ترے بوٹ سے ہو امید سفارش
جو فرصت ہو غیروں کی سرگوشیوں سے — تو سُن لیجیے اک مری بھی گزارش
جگر ہو گیا اس کے فقروں سے چھلنی — کہاں تک یہ ناصح کے تیروں کی بارش
ترے فیضِ صحبت کی سب برکتیں ہیں — جذام و برص ہو کہ تو باد خارش
مریضِ محبت پہ رحم اے طبیبو — کہاں تک یہ حب و سفوف و جوارش
کلرکی بھی ملتی نہیں ہو کے ایم اے — گورنر کی لائیں کہاں سے سفارش
کوئی بے پٹے داں سے پلٹا ہو اب تک — کہاں لے کے جاتا ہی لے دِل گزارش
مری راہ میں جو بچھاتے ہیں کانٹے — الٰہی رہے اِن پہ پھولوں کی بارش

ظرافت میں احمق ملا کب کسی کو
یہ طرزِ ادا یہ طریقِ نگارش

لے چکے دِل جس کی اُن کو تھی تلاش — اب وہ سچ کہتے ہیں ہم ہوں بدمعاش

بُت کدے کو ہو نویدِ عافیت
بُت شکن بھی ہو رہے ہیں بُت تراش

صد خدا داریم از افرنگیاں
ناخدا در کشتیِ ما گو مباش

دفن ہونے دے کہیں اے خاکِ مصر
سڑ رہی ہے ان کی امیدوں کی لاش

کیا کہیں گے وہ مجھے خوش آمدید
دور ہی سے سُن رہا ہوں "دور باش"

چاوڑی میں عشوہ و ناز اب کہاں
کالجوں میں کیجیے ان کی تلاش

شیشۂ دل اور بُتانِ سنگ دل!
اب اسے ہونا ہے اک دن پاش پاش

واعظانِ دیں بھی ہیں، زہاد بھی
حضرتِ ابلیس بھی آ جائیں کاش

تیغ کی زد پر ہے یوں لیڈر مرا
زخم کیسا۔ آ نہیں سکتی خراش

شیخ مسجد میں نہ رہنے دے ہمیں
کیا بُری ہے میکدے کی بود و باش

حضرتِ احمق ہیں حاضر، لیجیے
آپ کو تھی ایک دانا کی تلاش

علم کی اب کوئی پرسش نہ ہُنر کی پرسش
جس طرف دیکھیے دنیا میں ہے زر کی پرسش

دل کی پرسش ہے نہ عاشق سے جگر کی پرسش
اُلفتِ مس میں اگر ہے تو ہے "زر" کی پرسش

منظرِ عام پہ آئیں تو ذرا دار و رسن
غیر ممکن ہے نہ ہو پھر بھی جو "سر" کی پرسش

سخت مشکل ہے ترے عہد میں اے دورِ کمال
مجھ سے نا قابل و ناکارہ بشر کی پرسش

فیس سرجن کو جو میں نے نہ ادا کی، تو نہ کی
اس کے مرہم نے مرے زخمِ جگر کی پرسش

جنگ چھڑ جائے مقدر سے تو شاید ہو جائے
کوئے قاتل میں کسی دن مرے سر کی پرسش

امتِ حضرتِ عیسیٰؑ کا گدھا پن دیکھو
پرسشِ انساں کی نہ ہو اور ہو خر کی پرسش

پوچھے جاتے ہیں وہاں گرچہ سبھی مصلحتہً
پہلے ہوتی ہے مگر صاحبِ زر کی پرسش

لوٹنا چاہے جو ہر اک کو بنا کر اندھا
اس کی محفل میں ہو کیا اہلِ نظر کی پرسش

جوہری روتے ہیں عہدِ لب و دنداں میں ترے
کہیں دنیا میں نہیں لعل و گہر کی پرسش

بشریت ہی یہ ہے جب جہاں میں احمقؔ
پھر گلہ کیا نہیں ہوتی جو بشر کی پرسش

بس ایک گھونٹ میں دنیا کی سدھ نہ دین کا ہوش
یہ سحر کیا ہے بتا اے نگاہِ بادہ فروش

جنابِ شیخ ہیں فربہ حرام خوری سے
دگرنہ مردِ مجاہد میں اور یہ تن و توش!

تمام عمر لٹایا تھا مجھ کو کانٹوں پر
مرا مزار کیا جا رہا ہے اب گل پوش

سروں کی کثرتِ تعداد کام آئے گی
تہی ہے ایک زمانے سے دار کا آغوش

کچھ اعتبار نہیں بھائیوں کا دنیا میں
کہ آج کل ہیں زیادہ تر ان میں بردہ فروش

بھڑک اُٹھی تو زمانے کو پھونک ڈالے گی / یہ خیریت ہے ابھی دل کی آگ ہے خاموش

نگاہِ ناز ہے درپے تو دل کی خیر نہیں / دہانِ سگ سے کہاں تک بچے گا یہ خرگوش

بہت ہنسی مری تقدیر دیکھ کر مرا سر / عدو کے سر کو خریدی جو میں نے کل، پاپوش

تمھیں یہ حصر کچھ اس کا نہیں میاں منشی، / کہ لیڈروں میں ہیں تم سے سوا ضمیر فروش

اُنھوں نے اپنے لئے خندقیں نہیں کھودیں / یہ تربتیں ہیں جو کھولے ہوئے ہیں سب آغوش

سُنے نہ بات کوئی عقل کی جب اے احمق
تو بات عقل کی یہ ہے کہ ہو رہو خاموش

جنابِ شیخ کو خفیہ میں نوکری کی تلاش! / خدا بچائے بُری شی ہے رنجِ فکرِ معاش

سُنا دے جا کے کوئی راہزن کو یہ مژدہ / کہ راہرو کو ہے منزل میں راہبر کی تلاش

بس ایک شکل سے مجبور رہیں میاں کلو / وگرنہ ہے وہی مغرب کی ساری وضع و تراش

گلی میں ان کی پڑا سڑ رہا ہے یوں عاشق / کہ اسپتال میں جیسے کسی غریب کی لاش

نگار خانۂ ہستی ہے اک طلسمِ نظر / ترے قلم کی یہ سب شوخیاں ہیں اے نقاش

خوشی کے ساتھ کرو ہر الم کا استقبال / کوئی بھی شکل ہو، چہرہ مگر رہے بشاش

کسی سے وصل کا انکار وہ پڑھے ہی نہیں / بس ایک شرط یہ ہے آدمی نہ ہو قلاش

گلہ فضول ہی کالج کا حضرتِ واعظ
کہ خانقاہ کی دُنیا بھی ہی بڑی اوباش

سب آپ کی یہ شرافت ہی رائٹر صاحب!
کبھی کا ورنہ یہاں ہو چکا تھا پردہ فاش

قصور اس میں بلا شبہہ آفتاب کا ہی
تجھے نظر نہیں آتا جو دن میں اے خفاش!

رسید خوب کیا تو نے ان کے ہاتھ احمقؔ
یہی جواب بھی اس "ڈیم یو" کا تھا، شاباش!

نامہ بر پہلے ہی انعام کی شرط!
نہ ہوا کام، تو کس کام کی شرط

خانۂ دل میں وہ جب آجائیں
صبح کی شرط نہ یاں شام کی شرط

رہروِ عشق ٹھہرنا ہی غلط
اس سفر میں نہیں آرام کی شرط

کچھ بھی ممکن نہیں کوشش کے بغیر
"سعی" کے ساتھ ہی "اتمام" کی شرط

عشق میں عشرتِ آغاز کے ساتھ
ہی غلط، شادیٔ انجام کی شرط

بُت کی سیوا میں کوئی ہرج نہیں
کہ وفا بھی ہی اک اسلام کی شرط

ہو جئے شب کی بلاؤں سے دوچار
مانئے غیرِ سیہ فام کی شرط

چشمِ جاناں کا ہی میخانہ عجیب
شیشے کی قید نہ یاں جام کی شرط

شاعری مجھ کو نہ آئی احمقؔ
کیونکہ تھی اس میں مے و جام کی شرط

ابروے یار کا خدا حافظ — کند تلوار کا خدا حافظ
پردہ اُٹھتا ہی روئے جاناں سے — تابِ دیدار کا خدا حافظ
سکۂ قلب ہو جہاں رائج — ایسے بازار کا خدا حافظ
بڑھنے دو، بڑھ گئی جو قیمتِ مے — مجھ قدح خوار کا خدا حافظ
جو تری زلف میں اسیر ہوا — اُس گرفتار کا خدا حافظ
کیوں پریشان ہیں جنابِ مسیحؑ — 'مردِ بیمار' کا خدا حافظ
کوئے قاتل میں حشر برپا ہی — رسن و دار کا خدا حافظ
سخت جانوں کا امتحاں اے تیغ! — اب تری دھار کا خدا حافظ
دل ہی اور دُھن کسی کے کوچے کی — اس مرے یار کا خدا حافظ
جس کی بنیاد کھوکھلی ہو جائے — ایسی دیوار کا خدا حافظ

اس حماقت کے دَور میں احمق
دلِ ہشیار کا خدا حافظ

لذتِ سجدہ ہی نہ ذوقِ رکوع — جان و دل ہیں انھیں کی سمت رجوع
زندگی بھی ہی اک بڑا مضمون — چاہیے اس کو بھی کوئی موضوع

لوگ سمجھیں نہ آپ کو مکّار — ہے بہت آپ میں خشوع و خضوع
اور تخفیفِ اسلحہ کیا ہے — ہونے والا ہے پھر قتال شروع
کون جاتا ہے چھوڑ کر کاشی — طرفِ جدہ و سوئے ینبوع
کچھ بھی نیت سہی مگر انگریز — سوئے قبلہ تو ہو رہے ہیں رجوع
آپ کے عاشقوں کا کیا کہنا — کوئی مفلوج ہے کوئی مصروع
اہلِ مشرق ہیں پھر بھی ظلمت میں — روز کرتے ہیں آفتاب طلوع
صرف قومے میں رہ گیا ہے سلوٹ — ورنہ غائب ہیں سب سجود و رکوع
قحط میں مبتلا نہ کرائے چرخ — کر رہا ہے جو المضاعف جوع

طبع کیجے نہ حضرتِ احمق
جو کلام آپ کا نہیں 'مطبوع'

ہم تو مرجائیں جو انگریز نہ ہو غم کا شریک — کیا کرے بھیڑ، اگر اس کی خبر لے نہ بھیڑیک
ڈانس پر دخترِ کالج کی شکایت نہیں ٹھیک — عہدِ تہذیب میں اس قسم کی باتیں ہیں رکیک
یہی چندوں کی ہے بھرمار تو اے واعظِ قوم — میر اذمہ، نہ منگا دے تو اگر قوم کو بھیک
دل مرا ان کو جو شدت سے پسند آیا ہے — غالباً چاہتے ہیں مجھ سے وہ خطِ تملیک

دیکھیے اب مری تخریب کا پہلو کیا ہو
مری تعمیر کی اُٹھی ہی وہاں پھر تحریک

کوئی پرساں ترے عاشق کا شبِ ہجر نہیں
اک فقط غم، کہ ہی بیچارہ ہر اک دُکھ میں شریک

شیخ کی ریش کا ہر بال ہی زنّار کا تار
ایک نکتہ ہی یہاں بال سے زاید باریک

عہد تہذیب کا ظاہر نہیں، باطن دیکھو
جتنا روشن ہی یہ اس سے بھی سوا ہی تاریک

اہل سرمایہ شقاوت میں نہیں بیش و کم
جتنے اس فرم میں ہیں، سب ہیں برابر کے شریک

چند محلوں میں جو فانوس بھی روشن ہیں تو کیا
جھونپڑے شہر کے جتنے ہیں وہ سب ہیں تاریک

اس معالج سے نہ امید شفا رکھ احمق
خونِ دل کو جو بتاتا ہی ترے پان کی پیک

مجھے سچ سچ بتا صیاد یہ دل جوئیاں کب تک
مری قسمت میں ہی سیرِ بہارِ بوستاں کب تک

رہیں گے حادثوں سے مطمئن اہلِ جہاں کب تک
بچیں گے آسماں کی زد سے زیرِ آسماں کب تک

عمل کا وقت ہی دُنیا میں ہیں آثارِ بیداری
رہیں گے خوابِ غفلت میں ہمارے نوجواں کب تک

تمھیں کرتے نہیں ہم منع مشقِ ناوک اندازی
مگر اس طرح ہوں سینے ہمارے چھلنیاں کب تک

فلک کے زیر سایہ جس کو راحت کی تمنا ہو
کوئی اُس سے کہے ناداں یہ خوش فہمیاں کب تک

وہ دن کب آئے گا دیکھیں گے جب ہم شکلِ آزادی
خداوندا کھُلے گی قسمتِ ہندوستاں کب تک

قفس کی زندگی اس باغ سے اچھی ہے اے بلبل
رہینِ منتِ صیاد تیرا آشیاں کب تک

زمانہ ہوچکا بیدار لیکن تم نہیں جاگے
اُٹھو اے سونے والو مستیٔ خوابِ گراں کب تک

جفائے چرخ، رشکِ مدعی، بے مہریٔ یاراں
اُٹھائے لاکھ صدمے ایک جانِ ناتواں کب تک

غلط وعدے بہت فرمائے، اب سچ سچ یہ فرما دو
کرم ہوگا ہمارے حال پر اے جانِ جاں کب تک

کسی کو آج تک مانگے سے آزادی ملی بھی ہے
یہ تیری احمقِ ناداں خیال آرائیاں کب تک؟

چلیں گے گرتے پڑتے اس کے در تک
اگر رہ جائیں گے جیتے، سحر تک

سحر کو دیکھ لینا شمع کا حال
یہ ساری گرمیاں ہیں رات بھر تک

ہوئے کچھ اس قدر خاموش ریوٹر
کہ چیخ اُٹھے جناب پائنیر تک

بس اب اے دستِ وحشت رحم للہ
کہ دل کا چاک جا پہنچا جگر تک

غضب ہوتی ہے اے دل قرقیِ عشق
یہاں نیلام ہو جاتے ہیں سر تک

ایرشپ ہے تو آخر کیا تعجب
جو آہیں جا لگیں بامِ اثر تک

سحر تک تم یہاں آؤ گے اور ہم
خدا جانے کہاں ہوں گے سحر تک

خوشا وہ بوٹ جس کی ٹھوکروں میں
کلاہیں کیا نظر آتے ہیں سر تک

کہاں صاحب کا بنگلہ پھر، کہاں ہم
یہ ساری مہربانی ہے ڈنر تک

مری ساری خوشی ہے بندہ پرور
تمھاری اک عنایت کی نظر تک

بہت بیمار ہے دو دن سے احمق
ذرا چلیے نہ بیچارے کے گھر تک

سبحہ و زنار میں برپا ہے جنگ
مژدہ اے اقبالِ تدبیرِ فرنگ

میری ہی جانب نگاہیں سب کی ہیں
توپ ہے یا رائفل ہے یا تفنگ

اُڑتے پھرتے ہیں ہوا پر آدمی
حرصِ دنیا نے بنایا ہے پتنگ

اک زمانہ صلح کی خواہش میں ہے
ہو گئے ایجاد اب نئے آلاتِ جنگ

ہستیِ موہوم کا کیا اعتبار
بھک سے اُڑ جائے گی اک دن یہ سرنگ

کام کر جاتی ہے انساں کی زباں
کارگر ہوتے نہیں تیغ و تفنگ

دل گراموفون کی لے پر ہے مست
کس کو بھائے اب صدائے عود و چنگ

بادشاہی دی قناعت نے ہمیں
پانو ٹوٹے ہو گئے تیمور لنگ

ہند میں ہیں جان بل صاحب یونہی
بکریوں کے جھنڈ میں جیسے پلنگ

اے کلوخ انداز اتنا یاد رکھ
ہیں ترے سر کے لیے بھی خشت و سنگ

چھوٹ آیا جیل سے احمق تو کیا
ہے ابھی باقی بڑی قیدِ فرنگ

"مومنوں" کے لیے "ایماں" ہوں میں
"عرشِ انگلینڈ" کا "قرآں" ہوں میں

آپ کے دل میں جگہ کیا میری
جو نہ آئے کبھی، وہ دھیان ہوں میں

مجھ کو خدمت میں کرے کون قبول؟ — بُت، سو یہ چرخ، کہ مسلمان ہوں میں
ڈارون ہیں مرے کنبے کے بزرگ — لوگ کہتے ہیں کہ انسان ہوں میں
دوسروں کا میں بنوں کیا ہادی — خود تو اپنے لیے شیطان ہوں میں
'پھیکے پن' پر ہے مرے شہر گواہ — 'اونچی دوکان کا پکوان' ہوں میں
ان کی کشتی کو ڈبو ہی کے رہوں — جوش آ جائے تو طوفان ہوں میں
بال میں ناچتا ہوں جائے نماز — دورِ حاضر کا مسلمان ہوں میں
ہو گیا جان کو ہر وقت کا روگ — دل تمھیں دے کے پشیمان ہوں میں
مجھ کو 'پشّہ' نہ سمجھ اے 'نمرود' — کہ تری موت کا سامان ہوں میں

کہتے ہیں احمق و دیوانہ سب مجھے
کیونکہ اب صاحبِ 'دیوان' ہوں میں

سچ تو یہ ہے جز نمائش مقصد اپنا کچھ نہیں
بس رزولیوشن کے غوغے ہیں نتیجا کچھ نہیں
ایک آزادِ محبت کے لیے بندہ نواز
آپ کی یہ قید و بندِ مارشل لا کچھ نہیں

اُن سے عرضِ وصل کر کے مُفت ہونا ہی ذلیل
حضرتِ دل اس حماقت کا نتیجا کچھ نہیں

سب سے زاید منہمک دیکھا ہی دُنیا میں انھیں
بیٹھ کر منبر پہ جو کہتے ہیں "دنیا کچھ نہیں!"

جز تری حسرت کے دل میں دوسری حسرت نہ ہو
اس تمنّا کے سوا میری تمنّا کچھ نہیں

کیا فقط اسٹیج ہی کے ہیں جنابِ لکچرار
کہتے سب کچھ ہیں مگر حضرت سے ہوتا کچھ نہیں

کب تک آخر یہ غلط وعدے، یہ جھوٹے آسرے
صاف جو کچھ ہو وہ کہیئے، دم دلاسا کچھ نہیں

حضرتِ ناصح گدھے سے بڑھ کے ہوں میں کوڑمغز
آپ کی اس مغز کاوی کا نتیجا کچھ نہیں

مجرمِ اُلفت کو اپنے تُم ڈراتے ہو عبث
جیل خانہ کیا اُسے پھانسی کا پھندا کچھ نہیں

چین لیں گے صفحۂ ہستی سے تجھ کو میٹ کر

ہم کو اے ظالم حکومت اپنی پروا کچھ نہیں
احمق اس کی دوستی میں جان سے بھی ہاتھ دھو
دل کو کیا روتا ہے اے ناداں یہ رونا کچھ نہیں

جتنے بے روزگار ہوتے ہیں — ان کے امیدوار ہوتے ہیں
زیرِ دام آ کے دیکھ لے صیاد — کس طرح بے قرار ہوتے ہیں
یہ بھی پینا ہے کوئی حضرتِ شیخ! — روز پیسے اُدھار ہوتے ہیں
ان کے وعدے بھی زندگی کی طرح — سخت ناپائدار ہوتے ہیں
کام کچھ انجمن کا ہو کہ نہ ہو! — پوسٹر شاندار ہوتے ہیں
لے رہی ہے عوض مشیّتِ حق — اب شکاری شکار ہوتے ہیں
یہ بھی دن ہیں کہ اب مرے فقرے — آپ کو ناگوار ہوتے ہیں

نہیں رکھتے جو ذوقِ شعر احمق
سچ تو یہ ہے، گنوار ہوتے ہیں

بیمارِ غم کہاں یہ ترا لکچر کہاں — افسوس تیری عقل ہے اے ڈاکٹر کہاں

پیرِ مغاں کو چھوڑ کے زاہد کے پاس جائیں
ناصح! بجا! مگر ہمیں ہوش اس قدر کہاں
صیاد! بلبلوں کو خزاں میں رہا نہ کر
جائیں یہ بد نصیب قفس چھوڑ کر کہاں
باز آئے وصل سے جو یہی شرطِ وصل ہی
ہم مفلسوں کے پاس بھلا سیم و زر کہاں
دفعاتِ رولٹ بل کا شکنجہ ہی اور دِل
آئینِ عاشقی میں کوئی در گزر کہاں
تھا آج کا تو عہد اِسی خاکسار سے
جاتے ہیں یہ حضور سرِ شام ادھر کہاں؟
کوٹھی، دماغ شیخ کی بھی ٹھاٹھ دار ہی
عقلِ فرنگ کا وہ مگر فرنیچر کہاں
واعظ کو شیر مال و تنجبن کہاں سے آئے
فاقہ کشانِ قوم میں اس کا گزر کہاں
پر یار اُن کے تیر پہ کرتا ہوں دل نثار
مجھ سا کوئی زمانے میں ہی بے جگر کہاں
اُلو بنا چکے وہ دلِ سادہ لوح کو
اب وہ خلوصِ مہر و وفا کی نظر کہاں
احمق سیالکوٹ کا کرتا ہوں جب میں قصد
لرزہ پکارتا ہی کہ حضرت کدھر! کہاں!

پولس ہی، محکمے ہیں نگرانیاں ہیں
وفاؤں کا بدلا پشیمانیاں ہیں
مجھے قتل کر کے پشیمانیاں ہیں
یہ پالیسیاں ہیں کہ نادانیاں ہیں
کہیں سے اُلٹیے ورق ہسٹری کا
جو آزادیاں ہیں تو قربانیاں ہیں

سینما کے پردے بھی ہیں کیا طلسمی
کہ پردے ہی پردے میں عُریانیاں ہیں

خدا قوم کو رہزنوں سے بچائے
یہاں رہبروں کی فراوانیاں ہیں

کہاں دیکھیے جا کے لگتی ہے کشتی
سیاست کے دریا میں طغیانیاں ہیں

بجز خونِ عاشق، گراں ہے ہر اک شے
یہی جنس ہے جس کی ارزانیاں ہیں

جہاں ہے ذرا بھی اثر جان بل کا
پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں

شرابیں، جوئے، ڈانس، تھیٹر، سینما
تمدن کی شائستہ عنوانیاں ہیں

جہاں آپ کل جلوہ فرما ہوئے تھے
وہ آبادیاں آج ویرانیاں ہیں

بنی ہیں جو سرمایۂ اہل دانش
وہی شاید احمق کی نادانیاں ہیں

نہ دلسوزیاں ہیں نہ دلداریاں ہیں
یہ سب پالسی کی فسوں کاریاں ہیں

اُدھر وہ ہیں اور ان کی عیاریاں ہیں
اِدھر دل کی ناتجربہ کاریاں ہیں

کبھی ہو رہے گا خدا کو بھی سجدہ
ابھی تو بتوں کی پرستاریاں ہیں

حیا اور عصمت کی سچی محافظ
جو ہیں تو یہی چار دیواریاں ہیں

چلو ہو گیا حج بھی فیشن کے اندر
جہاں اونٹ تھے اب وہاں لاریاں ہیں

نہ سمجھو ہمیں مُردہ، تم کو غضب کیا
کہ اس راکھ کی تہ میں چنگاریاں ہیں

وہاں وہ ہیں اور روز دو اک نئے بل
یہاں میں ہوں اور میری ناداریاں ہیں

ہر اصلاح کی مشق ہی عورتوں پر
عجب مخمصے میں یہ بیچاریاں ہیں

ملی ہیں جو ہم کو حدودِ قفس ہیں
یہ آزادیاں سب گرفتاریاں ہیں

بس اب خیر مشکل ہی بیمارِ غم کی
کہ حد سے سوا اُن کی غم خواریاں ہیں

خلوصِ محبت کہاں اب کہ احمق
زمانے میں مطلب ہی اور یاریاں ہیں

کتابِ دہر کے کاتب نے آزادی کے بارے میں
لکھا ہی صرف لفظ 'تیغ' وہ بھی استعارے میں

مری تکفیر کرکے کیا بنا لے گا مِرا واعظ
اُٹھوں گا خانقہ سے جا رہوں گا گوردوارے میں

عدم کی سیر بھی منجملۂ شرطِ ترقی ہی
وہیں کے واسطے یہ مشق ہوتی ہی غبارے میں

تماشا دِل کے ارمانوں کا دیکھا ہی ابھی کیا ہی

ہزاروں اس طرح کے شعبدے ہیں اس پٹارے میں
پسند آتے ہیں سارے راگ جن کو دیس کی دھن کے
پیانو سے زیادہ لطف پاتے ہیں چکارے میں
ہمارے بیل کو چارا نہ دو اچھا نہ دو بھائی
مگر پھر لطف کیا جب فرق آیا بھائی چارے میں
بھلا اُس آہ سے کیا بچ سکے گا خرمنِ اعدا
ہزاروں بجلیاں پنہاں ہیں جس کے اک شرارے میں
کبھی در پردہ سازِ اغیار سے ہے اور کبھی ہم سے
یہی اک راگ بجتا ہے ہمیشہ اس 'دوتارے' میں
حماقت ہے نسب کی بحث اب اے میرزا صاحب!
نہیں کچھ فرق حضرت آج کل 'بیگ' اور 'پٹارے' میں
خیالِ یار چشمِ تر میں یوں محوِ تماشا ہے
کوئی جس طرح 'ڈل'[1] کی سیر کرتا ہو شکارے[2] میں
مجھے آتا ہے رشک احمق کی اس بالغ نگاری پر
یہ کہہ جاتا ہے اکثر داستانیں صرف اشارے میں

---

[1] ڈل۔ کشمیر کی جھیل
[2] شکارا۔ کشمیر کی کشتی

پولس کے زور سے غصّے مٹائے جاتے ہیں
اسی پہاڑ تلے اونٹ لائے جاتے ہیں

اسی لیے مرے سر پر یہ دستِ شفقت تھا؟
حضور تو مرا بھیجا ہی کھائے جاتے ہیں!

تو اپنی بھوک کا شاکی فضول ہے اے ہند
مریض کو یونہی فاقے کرائے جاتے ہیں

وہ بے وقوف ہیں کرتے ہیں جو خدا سے اپیل
کہ اہلِ عقل سوئے ویسرائے جاتے ہیں

رہیں گے کس کے سہارے وطن میں ہم خدام
کہاں حضور یہ بسترِ اُٹھائے جاتے ہیں

یہ ووٹ بھی بخدا اک عجیب دانا ہے
اصیل مرغ اسی پر لڑائے جاتے ہیں

ابھی سُنا ہی کہاں ہے مرا فسانۂ غم
ابھی سے آپ یہ کیوں سٹ پٹائے جاتے ہیں!

مریض ہے کہ خمیرہ اُٹھ گیا بچارے کا
طبیب ہیں کہ خمیرے چٹائے جاتے ہیں

یہی ہے قحط و فلاکت تو لے عدم والو!
سب اہلِ ہند یہیں جلد آئے جاتے ہیں

ابھی بفضلِ خدا تھیٹر و سینما میں
حیاتِ قوم کے آثار پائے جاتے ہیں

کہیں ہو شہر میں دعوت یہاں ہے شرکت فرض
امورِ خیر میں ہم بے بلائے جاتے ہیں

ادب نوازیِ اہلِ ادب کا کیا کہنا!
مشاعرے میں اب احمق بلائے جاتے ہیں

ان کی فرمائش ہے لادو ساریاں
تک رہی ہیں منہ مری ناداریاں

صبح ہے اور گرلس کالج کی طرف
جا رہی ہیں مسکراتی لاریاں

ہے عیادت کو حسینوں کا ہجوم
کتنی صحت بخش ہیں بیماریاں

جب ملے غم میں اضافہ کر دیا
کیا یہی ہیں آپ کی غم خواریاں

جس قدر آسانیاں ہوتی گئیں — اور بھی بڑھتی گئیں دشواریاں
خیر ہو یارب کہ حسن و عشق میں — ہو رہی ہیں صلح کی تیاریاں
بڑھ رہے ہیں جتنے بی اے ملک میں — بڑھ رہی ہیں ملک کی بیکاریاں
قدرتِ حق لے رہی ہے انتقام — ہو رہی ہیں چرخ سے بمباریاں

کٹ گئے ہنستے سے وہ وعدے کی رات
رہ گئیں احمق کی سب عیاریاں

انھیں کی وفائیں انھیں کی جفائیں — وہ جس طرح عاشق کو چاہیں، نچائیں
خدارا رحم فرمائیے بیمارِ غم پر — کہ جتنے معالج ہیں اتنی ہی رائیں
قصور اپنے بھی نوٹ کر لیجیے گا — گناتے تو ہیں آپ میری خطائیں
وفاؤں سے گر باز آیا نہ عاشق — تو کیوں منفعل ہیں کسی کی جفائیں
ترے ہی تصدق ہیں اے زلفِ عنبر — مسلط ہیں مشرق پہ کالی بلائیں
قفس نے نہ چھوڑی سکت بازوؤں میں — رہا بھی جو ہوں تو کہاں اُڑ کے جائیں
مجھے تو طبیبوں کی کثرت نے مارا — مرض ایک ہے اور ہزاروں دوائیں
الکشن اسی کا ہے جو اہلِ زر ہے — کہ سونے کے کانٹے میں تلتی ہیں رائیں
جنھیں چاہیئے عشق میں سربلندی — رہِ طور چھوڑیں، سوئے دار آئیں
جسے دیکھیے ہم سے بڑھ کر ہے احمق — یہاں ہم کسے اپنے سے کم بتائیں

سول سروس میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

مجھے جنت کے رستوں کی خبر کیا
سینما کی طرف آیا گیا ہوں

وہ کعبہ ہوں کہ اب تک سیکڑوں بار
بتوں کے ہاتھ سے ڈھایا گیا ہوں

ادیم دہر پہ ہوں نانِ درویش
سدا اِل بانٹ کر کھایا گیا ہوں

ضرورت پھر کوئی درپیش ہوگی
دہاں میں یاد فرمایا گیا ہوں

جہاں کے فیلڈ میں گویا ہوں فٹ بال
جہاں پہنچا ہوں ٹھکرایا گیا ہوں

کہاں صاحب کا بنگلہ اور کہاں خلد
زبردستی اِدھر لایا گیا ہوں

مَیں وہ نغمہ ہوں جو سازِ ازل پر
ہمیشہ سوز میں گایا گیا ہوں

وہ پکچر ہوں جو پردے پر فنا کے
سرِ اسٹیج دکھلایا گیا ہوں

جہالت نے جہاں چھوڑا تھا مجھ کو
وہیں پھر کھینچ کر لایا گیا ہوں

مَیں خود اپنے لئے ہوں اک معمّا
نہ سمجھا ہوں نہ سمجھایا گیا ہوں

کبھی ڈھونڈا گیا ہوں میں جو احمق
مدک خانے ہی میں پایا گیا ہوں

حدِ مکانِ وہم کہاں، لامکاں کہاں
بھٹکا پھرا ہوں تیری طلب میں کہاں کہاں

کیا پوچھتے ہو مجھ سے خلشِ تیرِ عشق کی — دل ہی نہیں تو لذتِ زخمِ نہاں کہاں

مجنوں ہے اپنی دھن میں اسے اس کی کیا خبر — محمل کہاں ہے، اونٹ کہاں، ساربان کہاں

جب مورثِ جہاں ہوں بزرگانِ ڈارون — انسانیت کا ذکر تہ آسماں کہاں

زاہد کو بزمِ مے میں تماشا بنا لیا — ہر شخص پوچھتا ہے "یہ بوڑھے میاں کہاں؟"

اے بلبلِ اسیر مبارک یہ قید و بند — زاغ و زغن کو کنجِ قفس کا اماں کہاں

ہوں جس جگہ فرائضِ چوپاں سپردِ گرگ — ظاہر ہے بکریوں کی حفاظت وہاں کہاں

وہ تو شب اپنے گھر میں رہے اور وہمِ دل — پہنچا نہ جانے مجھے لے کر کہاں کہاں

آنکھوں میں اشکِ سرخ نہ اب دل میں خونِ گرم — افسانۂ جنوں کے لیے سرخیاں کہاں

ڈاکو ہیں سب لٹیرے ہیں سب راہزن ہیں سب — اب شہریار و پادشہ و حکمراں کہاں

عزلت گزیں جناب سا اور سیرِ بمبئی
فرمائیے تو حضرتِ احمق یہاں کہاں؟

ان کے جانے ہی کے آثار نظر آتے ہیں — وہ عدم کے لیے تیار نظر آتے ہیں

جن کے پنجے میں گرفتار تھے مرغانِ چمن — دام میں خود وہ گرفتار نظر آتے ہیں

نوجوانانِ وطن سے ہے شکایت بے جا — کچھ سنیما میں تو کردار نظر آتے ہیں

خبریں یہ سب سچ ہیں مگر شبہے کی ہے صرف یہ بات
رائٹر ہی کے فقط تار نظر آتے ہیں

ہند میں چند ہی نکلیں گے فدایانِ وطن
ورنہ غدّار ہی غدّار نظر آتے ہیں

وقت پر سب یہ ہی ہٹیں نہ انھیں تو کہنا
جس قدر ان کے یہ غم خوار نظر آتے ہیں

آبرو محفلِ جاناں میں بچے گی کیونکر
یاں سب اغیار ہی اغیار نظر آتے ہیں

ہم غریبوں کو یونہی چھوڑ کے چل دیں گے حضور
کچھ اسی قسم کے آثار نظر آتے ہیں

ترجماں ہوتے ہیں جذباتِ وطن کے جو صحیح
صرف احمق ہی کے اشعار نظر آتے ہیں

محبت میں جو کچھ گزرتی ہے مجھ پر، خدا جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں
نہ پوچھو دلِ زار کا حالِ ابتر، خدا جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں

اِدھر عاشقوں سے بناوٹ کی باتیں، اُدھر دشمنوں سے لگاوٹ کی باتیں
یہ چالیں یہ گھاتیں تری او ستمگر، خدا جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں

محبت کی شرطیں عدو سے نہ پوچھو، اُسے کیا خبر کیا بتلائے وہ تم کو
یہ باتیں کچھ اچھی طرح بندہ پرور، خدا جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں

گرانی سے جو حال ہے ملک بھر کا، تباہی ہے ہندوستان میں جو برپا

نہیں جان سکتے اُسے اہلِ دفتر، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں
ابھی آئے گا اک زمانِ محبت، کہ ہوگا پھر اِک امتحانِ محبت
ابھی جو گزرتے گو ہی میرے دل پر، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں
مری حالتِ زار اگر پوچھنا ہی تو بس مجھ سے پوچھو کہ میرے خدا سے
کہ اچھی طرح اس کو اے بندہ پرور، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں
اِدھر دفعہ چونتیس والے کھڑے ہیں اُدھر ٹیکس لینے کو بخشی اڑے ہیں
ہی جن آفتوں کا نشانہ مرا گھر، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں
اگر تم کو سننی ہی میری کہانی، تو اس کو سنو تم مری ہی زبانی
کوئی جانتا ہی اگر اس کو بہتر، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں
خجندی و عثمان و ٹونکی و خواجہ، جگناتھ و ملکھان و تیاگی و رنگا
ہوا جو الم احمق ان سب سے چھٹ کر، خدا جانتا ہی کہ میں جانتا ہوں

ہنر کی کچھ قدر ہی تو یہ ہی کہ عہدِ صیاد بوالہوس میں
اگر کوئی مرغ خوشنوا ہو اسیر ہو گوشۂ قفس میں
ہمیں یہ تعلیم انھوں نے دی ہی بہ مشکل اس ڈیڑھ سو برس میں

کہ مرغِ بے بال و پر کی مانند خوش رہیں گوشۂ قفس میں

ابھی انھیں ہم سے دل ہی لینا، ابھی وہ چالیں چلیں گے کیا کیا

ہزار دیں گے فریب ہم کو، ہزار کھائیں گے جھوٹ قسمیں

نہ جورِ گلچیں سے کوئی غم تھا، نہ فکرِ گل سے کوئی الم تھا

چمن میں اب وہ مزے کہاں ہیں جو چین تھے گوشۂ قفس میں

زباں سے کچھ نہ کہنے والو، ہمیشہ خاموش رہنے والو

جفائے صیاد سہنے والو بس آگ لگنے کو ہے قفس میں

یہ پرورش کوئی کم ہے ان کی جنھیں بُرا کہہ رہے ہیں گاندھی

ہمیں پڑھایا، پڑھا کے ہا لو بنا دیا ہم کو ہاتھرس میں

کمندِ گیسو میں حضرتِ دل یونہی گرفتارِ ابتلا ہیں

کہ جس طرح کوئی دُزدِ پُرفن اسیر ہو پنجۂ عسس میں

تمھاری باتوں میں جو بھی آئے وہ دین و ایماں سے ہاتھ اُٹھائے

خدا نہ ڈالے بتانِ مغرب کبھی کسی کو تمھارے بس میں

نیا ستم ہے یہ بلبلوں پر یہ حکمِ صیاد ہے انوکھا

ملیں نہ باہم دگر عنادل، رہیں مگر ایک ہی قفس میں

کرم کے بدلے ستم یہ کیسا، وفا کے بدلے جفا یہ کیسی
کہاں گئے وہ تمہارے وعدے کدھر گئیں وہ تمہاری قسمیں

نگاہِ مست بتاں کا عالم عجیب پرکیف ہو کہ احمقؔ
نہ بھنگ و افیون میں ہو یہ مستی نہ شلغہ و گانجہ و چرس میں

اکڑتا پھر رہا ہو حسنِ عریاں سیر گاہوں میں
کسی میں ہو یہ دم حائل جو ہو نیچر کی راہوں میں؟

مرے مرنے کی اس درجہ خوشی ہو کج کلاہوں میں
دوگانے کی نمازیں ہو رہی ہیں عید گاہوں میں

خلوص و صدق سے خالی ہیں دل جس کا ثمر یہ ہو
نہ کوئی سوز نالوں میں نہ کوئی درد آہوں میں

پئے سرحد ضرورت ہو انھیں مردانِ غازی کی
ڈرل باقاعدہ سب سیکھ رکھیں خانقاہوں میں

زمانے کا زمانہ کشتۂ شمشیرِ قاتل ہو
ہمیں تنہا نہ ہوں گے روزِ محشر دادخواہوں میں

مدد اے خضرِ رہ! سب منزلِ مقصد پہ جا پہنچے
ہمیں بس اک رہے جاتے ہیں یاں گم کردہ راہوں میں

کیا ہم نے اگر قاتل پہ دعویٰ خونِ ناحق کا
کروڑوں لاشہ ہائے بے سر اٹھیں گے گواہوں میں

ہمیں زندہ مصیبت میں ہیں ورنہ سب علم والے
مزے سے سو رہے ہیں اپنی اپنی خوابگاہوں میں

یہی تیرے گدھے ہونے کی اک بیّن دلیل احمقؔ
کہ وہ بت جانتا ہو تجھ کو اپنے خیر خواہوں میں

سنبل و گُل رقص میں، نسرین و ریحاں رقص میں
فصلِ گُل ہی اور سارا گلستاں ہی رقص میں

یہ ہوا کے سرد جھونکے، یہ ترشح، یہ بہار
آج تو گویا فضائے لامکاں ہی رقص میں

ہی زمیں پر پتنگوں کا ناچ کتنا دل فریب
آسماں پر یم کے گولوں کا دھنواں ہی رقص میں

بج رہی ہی قصرِ استبداد پر خونیں کدال
جھونپڑوں کا ہر ضعیف و ناتواں ہی رقص میں

دیکھ لے جس نے نہ دیکھا ہو کبھی تگنی کا ناچ
چودھری صاحب کا سارا خانداں ہی رقص میں

ناچ گھر میں تو ہیں لاکھوں ہی جوانانِ وطن
دار کے تختے پہ بھی کوئی یہاں ہی رقص میں؟

انقلابِ دہر نے چھیڑا ہی اپنا جل ترنگ
حالِ مستقبل کو ہی ہندوستاں ہی رقص میں

ڈانس اپنا ختم کر لے جبر اور گردن اُٹھا
دیکھ تیرے سر پہ قہرِ آسماں ہی رقص میں

کو ایجوکیشن کے ارمانوں سے ہو کر ہم بغل
گرلس کالج کی تمنائے جواں ہی رقص میں

بے زری مانع ہی احمق ورنہ ہم بھی ناچتے
اب تو جو آسودہ گھر ہی وہ یہاں ہی رقص میں

دورِ گردوں رنگ ہی لا کر رہے گا ایک دن
ہند میں بھی انقلاب آ کر رہے گا ایک دن

قصرِ سرمایہ کی بنیادیں ہیں بالکل کھوکھلی
تیشۂ مزدور اسے ڈھا کر رہے گا ایک دن

آج جو ٹھکرا رہا ہی کبر و نخوت سے ہمیں
دیکھ لینا ٹھوکریں کھا کر رہے گا ایک دن

کھینچے پھرتا ہے تری رکشا جو لے سرمایہ دار!
تجھ سے یہ رکشا اپنی کھنچوا کر رہے گا ایک دن

ختم ہو جائے گا دورِ قہر و استبداد و جبر
عہد اطمینان و امن آ کر رہے گا ایک دن

کیا شہیدانِ وفا کا خون کوئی کھیل تھا
وہ تو کچھ ہو رنگ ہی لا کر رہے گا ایک دن

یاد رکھ لے ظالمِ خود سر کہ تو اب جلد ہی
اپنے ظلموں کی سزا پا کر رہے گا ایک دن

غم نہ کر اے جھونپڑی کے رہنے والے غم نہ کر
قصر و دیواں تو بھی بنوا کر رہے گا ایک دن

فکر کیا احمق اگر چھپتا نہیں دیواں ترا
عہدِ نو جلد اس کو چھپوا کر رہے گا ایک دن

ڈانس کو لغو سینما کو برا کہتے ہیں
شیخ ہر بات زمانے سے جدا کہتے ہیں

آپ لاحول سے گھبرائیں نہ مسٹر ابلیس
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

کیسے ہوتے ہیں وہ نادان ترے بد قسمت پاس
جو فرشتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں

نظرِ بد سے جو بچنا ہو تو رکھ بوسہ زلف
صدقے کو اہلِ جہاں ردِ بلا کہتے ہیں

حضرتِ شیخ کو سب کہتے ہیں انگریز پرست
ہم مگر حضرتِ شیخی کا گدا کہتے ہیں

منزلِ باطل میں جنہیں ساتھی خضر شمر و یزید
ان سے ہم واقعۂ کرب و بلا کہتے ہیں

بس ہمارا جو چلا اے ستم یار تو بس
صاف کر دیں گے تجھے ہم یہ صفا کہتے ہیں

میری نظروں میں ہے انسان کا کیرکٹر بھی — لوگ شیطان کو ناحق ہی بُرا کہتے ہیں
مذہبِ عشق میں ہے حُسن کی تحقیر گناہ — بُت اسے کہ نہیں سکتے تو خدا کہتے ہیں
ہجر کی شب کہیں پڑتے نظر آئیں جو شغال — اصطلاحِ شعرا میں اسے کیا کہتے ہیں
اکثر ان میں سے ہیں بٹ مار دگرہ کٹ احمق
ہم جنھیں راہبر و راہ نما کہتے ہیں

اب نہ وہ پارک کی سیر ہے نہ سنیما گھر وہ شو — دل کے لیتے ہی نظر پھیر لی آپ نے تو
ایک ہی اصل میں ہیں اپریل و لن لتھ گو — کاش اُٹھ جائے کسی روز حجابِ من و تو
روکھی روٹی بھی میں کھا لوں گا بڑے شوق کے ساتھ — گرُ نہ بیکار منگاؤ، یہ تکلّف نہ کرو
چھوڑ اے حسنِ بریدہ یہ ملمع سازی — کارآمد ہے لپ اسٹک نہ مفید اب اِسنو
ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں پہ ترس کھا کے پلا — دیکھ ساقی یہ چھلکتے ہوئے پیمانے دو
کچھ بھی ہو جائے مگر ہند سے انگریز نہ جائے — اے جوانانِ وطن خوب لڑو خوب لڑو
ارضِ مغرب میں نہیں قید نکاح و تزویج — پھول اس باغ کے ہوتے ہیں نمو خود رو
اس لنگوٹی پہ بھی لازم ہے مجھے شکرِ خدا — کیا کروں ہیں جو مقدر سے کہیں یہ بھی نہ ہو
جانِ بیمار میں تھوڑی سی جو باقی بھی تھی — ہو گئی نذرِ خیابان و شبستان و گلو

تم میرے حال پہ اس درجہ نوازش فرماؤ! نظر آتی ہے کوئی اس میں بھی سازش مجھے تو

لیجیے ٹال دی اس بت نے ہنسی میں مری بات

کہہ دیا سن کے مرا حال نرے احمق ہو

سروں پہ جہل و فلاکت کا یہ وبال نہ ہو جو لطفِ مصلحِ ملت شریکِ حال نہ ہو

ہم اس بخیل کے در پر چلے ہیں لے کے مراد جہاں فقیر کو بھی جرأتِ سوال نہ ہو

سفر میں ساتھ نہ رکھیے افیم حضرتِ شیخ بہت سی ہے کہیں رستے میں دیکھ بھال نہ ہو

وفا شعار ہدایت سے جاں بحق ہو جائیں جفا پر اُن کو اب اتنا بھی انفعال نہ ہو

بڑے مزے سے گزرتی ہے چھیڑ چھاڑ میں عمر خدا کرے ابھی دشمن کا انتقال نہ ہو

ہے یہ بھی لالچ انھیں پل رہا ہے مفت میں دل ہے خوف یہ بھی کہیں اُس میں کوئی چال نہ ہو

بہت قریب ہے وہ روزِ بد کہ حضرتِ شیخ کوئی جناب کا ہمدرد و ہم خیال نہ ہو

پولس کی ہے یہ لیاقت کہ چوریاں ہوں بہت مزید یہ کہ برآمد کہیں سے مال نہ ہو

نہیں ہے جسم پہ گر چیتھڑا تو ہرج نہیں خدا وہ دن نہ دکھائے کہ تن پہ کھال نہ ہو

نرے بھی زورِ حماقت کی دھوم ہے احمق

وہ آدمی ہی نہیں جس میں کچھ کمال نہ ہو

جھگڑا نہ ہو، فساد نہ ہو، دشمنی نہ ہو
تم درمیاں نہ ہو تو کوئی بات ہی نہ ہو

اے مرغ! آشیاں میں اگر چاہتا ہے چین
شاہین بن اس چمن میں کبوتر کبھی نہ ہو

یارب اس التفات کا انجام ہو بخیر
جی ڈر رہا ہے یہ بھی کوئی پالسی نہ ہو

اس کا سکون اس کے لیے ہے پیامِ مرگ
اے چارہ سازِ دل کی تڑپ میں کمی نہ ہو

وہ اور ان کے ساتھ ترا "نان وائلنس"
اے ضبطِ آہ دیکھ، بالآخر ہنسی نہ ہو

تیری بقا کا راز یہی ہے کہ جان بل
ہندوستاں سے دور کبھی مفلسی نہ ہو

کچھ تو ملے بتوں کو مزا اپنے ظلم کا
وقت آئے جب تو ان کے لیے بھی کمی نہ ہو

تیرہ نشیموں کو غرض کیا چراغ سے
بجلی اگر نہ ہو تو یہاں روشنی نہ ہو

خاموش عشق میں یہی اک عشق کا ہے لطف
مر جاؤں میں تو گھٹ کے اگر مدعی نہ ہو

ناصح ہم اور ترکِ وفا، جا یہاں سے جا
احمق نہ بن، الجھ نہ زیادہ، ہسٹری نہ ہو

نہ مددگار کسی کا ہے نہ غم خوار ہے تو
جس سے مطلب ہے ترا، اس کا فقط یار ہے تو

دوسروں کے لیے ہے تنقیہ و نصح کی فکر
اور خود موت کی ہچکی میں گرفتار ہے تو

بنتے طاغوت زمانے میں ہیں، جتنے ابلیس
سب کا تسلیم شدہ قافلہ سالار ہے تو

ہے جو مجروح ہر اک سینہ، تو ہر دلِ زخمی
کوئی خنجر ہے کہ برچھی ہے کہ تلوار ہے تو

سچ تو یہ ہے کہ ہیں دل اس کی تباہی کے قریب
جس کا ہمدرد ہے تو جس کا مددگار ہے تو

دوسروں ہی کی بدولت ہے یہ سب آب و جلا
ورنہ اک آلۂ بے ہودہ و بیکار ہے تو

صید کو اپنی اسیری کا نہیں غم صیاد
وہ تو یہ دیکھ کے خوش ہے کہ گرفتار ہے تو

ٹھیر، تانگا تو منگا دوں تجھے اے استبداد
بسترا باندھ کے چلنے کو جو تیار ہے تو

تو اگر ہو تو یہ انسلمٹ نہ ہو لے پٹرول
چھکڑا اب کار سے کہتا ہے کہ بیکار ہے تو

ہند پر غیر کے قبضے سے جو خوش ہے احمق
قابلِ لعن نہیں، مستحقِ دار ہے تو

اے دل کی سازشوں سے برباد ہونے والو
تم سے کہا تھا کس نے، سانپ آستیں میں پالو

دیکھو کسر نہ چھوڑو، عاشق کو آزما لو
خوب اُس پہ جبر کر لو، خوب اس پہ ظلم ڈھا لو

اللہ ری شرارت، بزمِ عدو میں اس نے
دیکھا جب مجھے، تو بولا، "دیکھو! اسے نکالو"

پھر مجھ کو یاد آئیں ساقی کی مست آنکھیں
پھر دوستو پلائیں، لو پھر مجھے سنبھالو

دل لینے کی یہ گھاتیں، میں خوب جانتا ہوں
باہیں مرے گلے میں تم پیار سے نہ ڈالو

اظہارِ سوزِ باطن کیا کر سکیں کسی سے
تم نے تو مُہر کر دی، منہ پہ زباں کے تالو

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں — پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
عشاق کے دلوں میں کافی جگہ پڑی ہے — کوٹھی کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو
حسرت نے دل کو آخر برباد کر کے چھوڑا — تم سے کہا تھا ہم نے "دیکھو اِسے نکالو!"
اب چرخ کی جفائیں حد سے گزر چکی ہیں — اب وقت امتحاں ہے اے میرے دل کے نالو!

ہے آج تک تو احمق فرزانۂ زمانہ
اب تم سے نئے انوکھے، اُس کو گدھا بنالو

بن کر رہے گا — قومی ترانہ — دردِ جگر کا — غمگیں فسانہ
عارض پہ اسنو — گیسو میں شانہ — فرزند کالج — لیکن زنانہ
صورت نہ دیکھو — سیرت کی پوچھو — وہ دلبرانہ — یہ وحشیانہ
دل بھی تھا اپنا — تم بھی تھے اپنے — اُف وہ زمانہ — اُف وہ زمانہ
قسمت پہ قانع — اُٹھ بچھاوڑانے — پیروں تلے ہے — ترے خزانہ
اے قومِ بےحس — اُٹھنا نہ ہرگز — دُنیا جھنجھوڑے — کتنا ہی شانہ
ہاں چشمِ ساقی — بس ایک کپ ٹی — قیمت ہے دل کی — صرف ایک آنہ
آیا ہے مژدہ — پھر فصلِ گُل کا — برباد ہوگا — پھر آشیانہ

توبھی ہو احمق — واللہ چرزق

صورت ہونق — دِل شاعرانہ

مخصوص حکومت کی وفا میرے لیے ہو — یہ بھنگ وہ ہو جس کا نشا میرے لیے ہو
عیسیٰ نفسی آپ کی غیروں کو مبارک — کب دردِ غمِ دل کی دوا میرے لیے ہو!
مرتا ہوں دمِ خنجرِ قاتل کی ادا پر — سچ یہ ہو کہ جینے کا مزا میرے لیے ہو
اس قدرِ محبت پہ فدا جان بھی زر بھی — فرماتے ہیں مجھ کو "یہ گدھا میرے لیے ہو"
کیوں جان ابھی سے نہ رہِ عشق میں دے دوں — آخر تو محبت میں فنا میرے لیے ہو
یہ عذرِ تغافل پہ خمِ گردنِ قاتل — گویا خمِ شمشیرِ قضا میرے لیے ہو
کیا ہو اگر آزادِ جفا ہو وہ ستمگر — پابندئ آئینِ وفا میرے لیے ہو
فلک کی بلندی سے اُترتا ہو جو فرمان — احکامِ خدا سے بھی سوا میرے لیے ہو
دنیا میں خدا میرے لیے ہو تو مقرر — دنیا میں جو کچھ ہو بخدا میرے لیے ہو

احمق انھیں پنچ اور بر کفاسٹ مبارک
فاقوں کی مصیبت کا مزا میرے لیے ہو

تری جادو نگاہی ساری مستی کھو چکی اپنی — بس اب اے سحرِ مغرب ختم کر افسوں گری اپنی

اب اس درجے پہ ہے تہذیب میں شائستگی اپنی — شریکِ بدعتی بھی ہے شریکِ زندگی اپنی

اُدھر تھوپا اُنھوں نے پاؤڈر جھری زدہ رُخ پر — اِدھر ہم نے خضاب ہو کے بدلی کینچلی اپنی

وہ بجلی جس نے لاکھوں آشیانے خاک کر ڈالے — اُسی بجلی کی مرہونِ کرم ہے روشنی اپنی

وہ تو ہو یا ترا غم ہو تعلق مجھ کو رکھنا ہے — کسی صورت تو آخر کاٹنی ہے زندگی اپنی

پُرانے مال کا بازار میں گاہک نہیں کوئی — جو قیمت چاہتا ہے تو بدل اب کو الٹی اپنی

یہ ہو سکتا ہے ساری قوم کو ہم ختم کر ڈالیں — مگر ممکن نہیں خطرے میں ڈالیں لیڈری اپنی

عروسِ حریت سے ہمکناری بھی ہے کچھ مشکل — مگر جو کھو چکا ہو قوتِ مردانگی اپنی

خدا سے بھی شکایت اے بتو تم سے گلہ کب تھا — یہ تم نے کیا سمجھ کر چینج کر دی پالسی اپنی

ضروری تھی تباہی دل کے ہاتھوں بحرِ الفت میں — جب ایسا نا خدا تھا کیوں نہ کشتی ڈوبتی اپنی

اُسے احمق بنائے جس کو ڈر ہو جیل خانے کا
یہاں رہنے دے کارستانیاں سی آئی ڈی اپنی

ذرا کہہ دو کوئی سمجھا کر آزادی کے سائل سے — کہ ملنے کی ہے تو ناداں یہ بھیک بھی ملتی ہے مشکل سے

وہ بد قسمت ہوں جب طوفان سے بچ کر نکل آیا — مری کشتی کے ٹکڑے اڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

ہمیں محتاط اتنا کر دیا ہے عشقِ گیسو نے
کہاں کا سانپ ڈرتے ہیں ہم اب تو سانپ کے بل سے

حضورِ قلب کچھ صاحب کے بنگلے ہی میں ہوتا ہے
یہ مسجد ہے یہاں کیوں شیخ جی آنے لگے دل سے

زمانہ کس قدر ہی کیوں نہ پر آشوب ہو جائے
مگر جو اہلِ حق ہیں دب نہیں سکتے وہ باطل سے

خدا کا شکر کر اس کو غنیمت جان اے بلبل
قفس کی چند روزہ زندگی ملتی ہے مشکل سے

ہماری ہی کام آئی نہ کچھ راہِ ترقی میں
بہت دوڑے بہت بھاگے مگر نکلے نہ منزل سے

تری تکلیفِ عیادت بھی انھیں یوں دے نہیں سکتا
کہیں گھبرا نہ جائیں وہ مری بینائی دل سے

اگر خود ان کی بیماری ہے فقط ہم بے کسوں ہی تک
کبھی پالا نہیں مارا کسی بد مقابل سے

موئے صیاد کی نازک مزاجی بھی غضب کی ہے
کہ اس کو درد سر ہوتا ہے فریادِ عنادل سے

وطن کے عشق میں کیا جیل خانہ اور کیا پھانسی
وہ احمق ہے جو گھبراتا ہے زندان و سلاسل سے

بے باکی و عریانی تہذیب کا جوہر ہے
وہ بے ہودہ فیشن ہے یہ ہے وہ سیہ نیچر ہے

آپس میں لڑانا بھی اک عقل کا جوہر ہے
اس کام میں لوگوں کی تنخواہ مقرر ہے

ہر روز نئے دعوے، ہر وقت نئے جھانسے
اتوار کو منگل ہے، منگل کو سنیچر ہے

صورت ہے تو نصرانی، سیرت ہے تو شیطانی
ہم جن کے محافظ ہیں، شاید یہی کلچر ہے؟

کیوں اس قدر آخر وہ تہذیب سے باہر ہیں — درخواست تو عاشق کی قانون کے اندر ہے

رہنے کو مرے ہوٹل، پینے کو مرے وہسکی — اب میری نگاہوں میں جنت ہے نہ کوثر ہے

غداریِ ملت کا الزام سہی مجھ پر — بنگلے میں تو پرستش ہے، کرسی تو میسر ہے

آنر کا اسے سودا، عہدے کی اُسے خواہش — دل ہے سو عجب دل ہے، سر ہے سو عجب سر ہے

مزدور کے فاقے کا، غم ہو تو اُسے کیونکر — جس کے لیے وہسکی ہے، ہوٹل ہے، مزعفر ہے

مشرق کو بھی موقع ہے اب نشاۃِ ثانی کا — مغرب میں خدا رکھے ہنگامۂ محشر ہے

حق کیا ہے تمہیں یارو، احمق پہ جو ہنستے ہو

تم جیسے گدھوں سے تو، وہ پھر کہیں بہتر ہے

گزرتی ہے یوں گرلس کالج کی لاری — مہکتی ہوئی جیسے بادِ بہاری

اداؤں کے نشتر، نگاہوں کے خنجر — ہر اِک گھاؤ پورا، ہر اک زخم کاری

نہ پوچھو مرے دل کی حالت نہ پوچھو — ہرن ایک ہے اور اتنے شکاری

یہ بھرتی کا دفتر ہے اے اہلِ فاقہ — یہاں ختم ہوتی ہے بے روزگاری

غلامی مسلط ہے جب تک وطن پر — اسی وقت تک ہے یہ سرمایہ داری

غمِ عشق کم ہونے والا نہیں ہے — نہ فرمایئے زحمتِ غم گساری!

ہمیں تھے جو پٹتے رہے روز، لیکن — ادا کر دیا حقِ خدمت گزاری
سزا غیب نے مے سے نفرت کی دی ہے — کہ واعظ ہے وارد غسّہ آبکاری
بلاتے گئے جس قدر خاک میں وہ — مری اور بڑھتی گئی خاکساری
غلط ان کے وعدے دروغ ان کی قسمیں — نہ یہ اعتباری نہ وہ اعتباری
وہ دل لے گئے مجھ کو احمق بنا کر
دھری رہ گئی سب مری ہوشیاری

ابھی کچھ روز ہیں جب آئے گی تنخواہ اے ساقی — اگر پھر بھی پلاتا ہے تو بسم اللہ اے ساقی
طہور و سلسبیل و حور و غلماں سب بجا، لیکن — بحمد اللہ میں ہو سکتا نہیں گمراہ اے ساقی
مرے پٹنے کی خبریں اس طرح کیوں مشتہر ہوتیں — مگر کیا کیجیے، ہے ریڈیو بدخواہ اے ساقی
خدا کے فضل سے بی اے ہوں خاصی عقل رکھتا ہوں — پیا کرتا ہوں میں بے جبر و بے اکراہ اے ساقی
نگاہیں ہو رہی ہیں تابشِ انوار سے خیرہ — یہ تیری بزم ہے یا بزمِ مہر و ماہ اے ساقی
فلک سے بم کے گولے پڑ رہے ہیں ڈر یہ لگتا ہے — کسی دن اڑ نہ جائے میکدہ ناگاہ اے ساقی
خدا کے واسطے واعظ سے کہہ دے چھیڑ نا کرے مجھ — میں اپنے نفع و نقصان سے ہوں خود آگاہ اے ساقی
میں کعبے کو بھی ڈھا سکتا ہوں مسجد اور منبر کیا — بس اتنا ہے مری خاطر ہو خاطر خواہ اے ساقی

حوادث رونما ہوں کس قدر ہی کیوں نہ دنیا میں
مگر احمق رہے گا بندۂ درگاہ اے ساقی

تا بہ امکاں کوششِ تہذیبِ نسواں کیجئے / خود بھی عریاں ہو جئے ان کو بھی عریاں کیجئے ۱
پھر وہی سی آئی ڈی کارِ نمایاں کیجئے / کچھ تو ملک و قوم کی گردن پہ احساں کیجئے
بزمِ مَے میں حضرتِ واعظ کو مہماں کیجئے / جانور کو آدمی، حیواں کو انساں کیجئے
تا بہ کَے آخر یہ خاموشی سوالِ وصل پر / بُت نہ بنئے کچھ تو کہئے کچھ تو ہوں ہاں کیجئے
کٹ مریں گے ہم خود آپس ہی میں اے بندہ نواز / آپ کیوں ناحق تلاشِ تیر و پیکاں کیجئے
شکریہ اس لطف بے حد کا مگر بندہ نواز / اب بہت نازاں نہ عاشق کو پشیماں کیجئے
چھیڑیئے آشفتگیٔ زلف کا کیوں تذکرہ / اپنے دیوانے کو ناحق کیوں پریشاں کیجئے
سر پھٹول کیجئے آپس میں خوب اے اہلِ ہند / کیجئے ہاں اپنی بربادی کا ساماں کیجئے
سومناتِ پالسی کو توڑیئے محمود وار / اس شوالے کے مہنتوں کو مسلماں کیجئے
عشق میں کیوں پا شکستہ ہوکے بیٹھے مثلِ قیس / کیوں اسیرِ شہر میں نذرِ دشت و بیاباں کیجئے

ہو چکی نیلام احمق عشق میں سب جائداد
دل ہی بیکار اب اسے بھی نذرِ خوباں کیجئے

کہیں آہِ مظلوم خالی گئی ہے یہ درخواست تا بابِ عالی گئی ہے
وہ افسانۂ قیس سُن کر یہ بولے یونہی اک کہانی بنالی گئی ہے
وہاں ذکرِ بریانی و کوفتہ کیا یہ وقت تو کھچڑی اُبالی گئی ہے
نہ بی بی کے 'پتے' رہے اور نہ 'بالی' مگر ہیم صاحب کو 'ڈالی' گئی ہے
بُتِ بوزنہ وش کو گھر سے نکالو یہ عِلّت بِلا وجہ پالی گئی ہے
ذرا سی تھی اک باتِ دل کی کہانی بڑھاتے بڑھاتے بڑھالی گئی ہے
کبھی کہہ دیا ہے اگر ان کو فتنہ تو سر پر قیامت اُٹھالی گئی ہے
کہاں جائیں گے میکدے سے نکل کر یہیں اک دنیا بسالی گئی ہے
جب اٹکی ہے کوئی غرض ان کی مجھ سے محبت کی بنیاد ڈالی گئی ہے
وہ سمجھیں گے کیا خاک عاشق کی حالت نہ دیکھی گئی ہے نہ بھالی گئی ہے

یہ کس خبط میں تو پریشاں ہے احمق
وہاں کس کی حسرت نکالی گئی ہے

طے کر چکے منازلِ تہذیب ارتقا کے ڈالیں اب اہلِ یورپ دنیا میں خوب ڈاکے
پچھتا رہا ہے ظالم اب کیوں انھیں مٹا کے مرقد تھے عاشقوں کے، یا نقش تھے وفا کے

جتنی بڑھیں جفائیں، اُلفت ہوئی زیادہ — وہ حرفِ آرزو اب، دفتر ہیں مدّعا کے
ہے فکر کار و ہوٹل، بیکار زاہد دل کو — آئے تو ہیں یہ حوریں تقدیر میں لکھا کے
اے تند و تیز جھونکو! دیکھو کہ اُس گلی میں — باقی رہیں نہ ذرّے خاکِ رہِ وفا کے
ہے اب کھلے خزانے لُٹس دِل و جگر کی — پڑتے ہیں دن دہاڑے روز اس گلی میں ڈاکے
حاشا جو شیخ کو ہو پرخاش مے کشوں سے — لیکن یہ جب پئیں گے، ظالم اُسے دکھا کے
ہر وقت وہ نگاہیں دل پر جمی ہوئی ہیں — پیغام آ رہے ہیں ہر دم مجھے قضا کے
اس واسطے خفا ہیں ہم سے بُتانِ مغرب — بندے ہیں کیوں ابھی تک ہم ایک ہی خدا کے
ایسا نہ ہو کہ واعظ خفیہ کا آدمی ہو — ہیں اس کے ہتکنڈے تو بے شک بڑے بلا کے

دنیا کو ہضم کر کے ہے پیٹ جن کا خالی
شاکی ہیں پھر بھی احمق وہ ضعفِ اشتہا کے

کوئی شدّھی کے متوالے کوئی تبلیغ کے بندے — چلے جاتے ہیں یونہی اپنے اپنے پیٹ کے دھندے
نہ پوچھو لیڈرانِ قوم کی ہنگامہ آرائی — ڈبل روٹی ہے اور مکھن ریزولیوشن ہیں اور چندے
بتوں کو پھر خدا کے گھر میں لانے کا ارادہ ہے — بہ ایں نیت اُٹھے ہیں چند خاص اللہ کے بندے
جو دانا ہے تو اے مرغِ خوش الحان دام سے بچنا — بچھا رکھے ہیں ہر ہر گام پر صیاد نے پھندے

چہ گویم در غمِ لیلائے نجد افسانۂ مجنوں — خدارا مشنو یداز من حدیثِ آرزومندے
تمھاری خوش نما اسکیم کیا ہی اک عجب مُرغی — جو انڈے تو بہت دیتی ہی لیکن سب کے سب گندے

جنابِ شیخ کا ارشاد ہی بالکل بجا احمقؔ
بھجن ہم تو اُسی کا گائیں گے جو ہم کو بھوجن دے

دُشمن ہی بدمعاش اُسے گھر سے ٹالیئے — جانا پڑے پولس میں وہ عِلّت نہ پالیئے
مجھ سے کہا جب اپنے پراٹھے پکالیئے — بھوکے جو ہوں تو آپ بھی کھچڑی اُبالیئے
عمّامہ اپنا دیکھیے پہلے جنابِ شیخ — پھر مے کدے میں رند کی پگڑی اچھالیئے
اُلفت کا کاروبار جنھوں نے کیا شروع — آخر یہی ہوا کہ ہوئے سب دِوالیئے
کہتے ہیں میری جیب سے بٹوا نکال کر — اس طرح اپنے دِل سے تمنّا نکالیئے
ہر گام پر ہی کوئے وفا میں دِلوں کا ڈھیر — پھرتا ہی نازِ حسنِ بتاں ٹھوکرا لیئے

احمقؔ ہی فنِ مکر و شرارت میں منفرد
دیکھے نہ ہوں گے تم نے کہیں ایسے چالیئے

دیر سے بیٹھے ہیں، باتوں میں نہ ٹال اے ساقی — وہ جو اس روز پلائی تھی نکال اے ساقی

کون چاہے ترے مے خانے کے رندوں کا زوال   کس کی شامت ہے کہ ہو روبہ زوال اے ساقی
کی مہ و مہر نے گو کتنی ہی یورش، لیکن   مے کدہ آج بھی ہے اپنی مثالی اے ساقی
جب ترے رند نے دی اہلِ وفا کو اپیچ   گونج اُٹھا تالیوں کے شور سے ہال اے ساقی
ریزگاری ہو نہ لکڑی نہ شکر ہو نہ اناج   فکر کا ہے کی جو مے کا نہیں کال اے ساقی
جان کیا ہو اپی ٹیشن میں جو ایثار نہ ہو   ہے یہ سب جوش کڑاھی کا سا اُبال اے ساقی
کوئی مقصد بھی ہے مے خانے میں ورنہ یہ کیا؟   رند اور کثرت و قلت کا سوال اے ساقی
ہو گئے رند ترے واسطے برباد و تباہ   ان کے ایثار پہ یوں خاک نہ ڈال اے ساقی
کیا کرے آکے ترے پاس کوئی خالی ہاتھ   چھوڑتا ہی نہیں کچھ کار نوال اے ساقی

وہ بھی دن آئے کہ پینے میں ہوں احمق کے شریک
اسد و حیرتؔ و مجذوبؔ و نہالؔ اے ساقی
